بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝٣ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝٤

وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتا۔ وہ جو کچھ فرماتا ہے، وحی سے ف

(جلد چہارم)

تالیف

- ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

معاونین

- مفتی محمد صفدر علی
- علامہ محمد طاہر

دارالعلم

۱۴۱ شاہ جمال کالونی، لاہور

۰۴۲-۳۷۵۷۸۷۸۰ - ۰۳۳۳-۴۵۸۷۸۷۳

تلخیص البخاری

(جلد چہارم)

تالیف • ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان


بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یوں فرماتا ہے کہ

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم ۵۳)

وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتا۔ وہ جو کچھ فرماتا ہے، وحی سے فرماتا ہے

تلخیص البخاری

(جلد چہارم)

تالیف

- ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

معاونین

- مفتی محمد صفدر علی
- علامہ محمد طاہر

ملنے کا پتہ

دار العلم

۱۴۱ شاہ جمال کالونی، لاہور

۰۳۳۳-۴۵۸۷۸۷۳ - ۰۴۲-۳۷۵۷۸۷۸۰

اِظہارِ تَشکّر

ادارہ محترم محمد اسلم چوہدری صاحب چیف انجینئر (ر) کا از حد ممنون ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی حتمی نظر ثانی میں اپنی بے لوث خدمت سے ہمارے اس کارِ خیر میں حصہ لیا۔

دار العلم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

﴿مکمل سیٹ چار جلدوں میں ہے﴾

جلد ..... چہارم

بارِاوّل ۱۰۰۰

تاریخ طباعت ..... فروری ۲۰۱۳ء

ناشر ..... دارالعلم

۱۴۱ شاہ جمال کالونی، لاہور

ہدیہ ..... ۲۰۰ روپے

مطبع ..... ایڈمن سٹوڈیو، ڈیزائنز اینڈ پرنٹر

۱۰-بی، شمع پلازہ، ۲۷-فیروز پور روڈ، لاہور

کمپوزنگ وڈیزائننگ..... حافظ محمد ناصر رشید

ملنے کا پتہ

دار العلم

۱۴۱ شاہ جمال کالونی، لاہور

۰۴۲-۳۷۵۷۸۷۸۰ - ۰۳۳۳-۴۵۸۷۸۷۳

تعارف

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان صاحب:

میڈیکل شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد سرکاری ہسپتال میں ملازمت کرنے کا موقع ملا۔ سات سال اندرون ملک ملازمت کرنے کے بعد محکمہ صحت حکومت لیبیا کے پاس ملازمت اختیار کی۔ چار سال کے بعد وہاں سے برطانیہ روانہ ہو گئے۔ لیبیا کے قیام کے دوران عرب کلچر کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جس سے قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملی۔

برطانیہ میں طویل عرصہ قیام کیا۔ اسی دوران ویانا یونیورسٹی میں میڈیسن کی اعلیٰ تعلیم کیلئے ایک سال رہنے کا موقع ملا اور مشرقی یورپ کے کلچر کا بغور مطالعہ کیا۔ برطانیہ میں ملازمت کے ساتھ ساتھ میڈیسن کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے کوشش جاری رکھی اور ایم آر سی پی کی ڈگری حاصل کی۔ پھر رائل کالج نے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے ایف آر سی پی کی اعزازی ڈگری سے بھی نوازا۔ ۱۹۹۱ء میں وطن واپس آ گئے اور یو سی ایچ لاہور میں کنسلٹنٹ فزیشن کے طور پر دس سال کام کیا۔ اب بھی جزوی طور پر ایک پرائیویٹ ہسپتال میں کنسلٹنٹ فزیشن کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

۱۹۸۶ء میں چین جانے کا موقع ملا۔ وہاں اس اُبھرتی ہوئی سپر پاور کی طرزِ

زندگی کو دیکھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے اس وقت خاص طور پر دو چیزیں نوٹ کیں۔ ایک یہ کہ انکا ڈسپلن انہیں ایسے نظر آیا جیسے کسی ''اِسلامی ملک'' کا ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ انہوں نے انکے دِل میں پاکستان کیلئے انتہائی پُرخلوص جذبات کا مشاہدہ کیا۔ انہیں یقین ہے کہ ہمارا یہ عظیم دوست دُنیا کی سیاست میں عنقریب واحد سپر پاور بن کر اُبھرے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس طویل پروفیشنل سفر میں قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ بھی ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھنے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک منفرد انداز سے نوازا ہے۔

لیبیا اور یورپ کے قیام نے قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھنے میں ان پر بہت اثر چھوڑا ہے۔ انکی زیادہ توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ قرآن حکیم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث شریف ہمیں روزمرہ کی زندگی میں کیا رہنمائی کرتی ہے اور ہم کہاں تک اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس پر عمل نہیں کر رہے تو کیوں نہیں کر رہے اور عمل نہ کرنے کے نتائج کیا نکل رہے ہیں۔ قرآن حکیم اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پہلو سے دیکھنے کا یہ انداز انہوں نے اپنی کتاب میں اپنایا ہے۔

مفتی محمد صفدر علی صاحب:

مفتی صاحب دینی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ درسِ نظامی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بیرونِ ملک تعلیم و تدریس سے منسلک رہے ہیں۔ کینیا میں کئی سال قیام کیا اور وہاں کی مسلم آبادی کو اپنے علم سے سیراب کیا۔ انٹرنیشنل دینی کانفرنسز میں شمولیت کا اکثر موقع ملتا رہتا ہے۔ عربی زبان میں دسترس رکھتے ہیں۔ آج کل ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارہ کے چیف ایگزیکٹو ہیں۔

بہترین دینی واعظ ہیں۔ اکثر جمعہ کے موقع پر لوگ انکے وعظ سے مستفید

ہوتے ہیں۔عوام الناس اپنے دینی مسائل کے حل کیلئے انکے پاس ہمیشہ مجمع لگائے رکھتے ہیں۔فقہی مسائل میں خاص رجحان اور تجربہ رکھتے ہیں۔

اس کتاب کی تالیف میں انکے مشورے انتہائی مفید رہے۔اس کتاب کے مسودے کی بڑی محنت سے نظر ثانی کی ہے اور تنقیدی نگاہوں سے اس کتاب کو مفید تر بنایا ہے۔

علامہ محمد طاہر صاحب:

محمد طاہر صاحب اعلیٰ تعلیمی اسناد سے مزین ہیں۔ایک دینی خاندان سے تعلق رَکھتے ہیں۔ایم اے (انگلش) اِسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے کیا۔درسِ نظامی منہاج القرآن یونیورسٹی سے کیا۔ایم بی اے کی ڈگری مشہورِ زمانہ یونیورسٹی لَمز (LUMS) لاہور سے حاصل کی۔مقابلے کا امتحان سی ایس ایس (CSS) پاس کیا اور وفاقی حکومت میں ملازمت شروع کی۔اس وقت اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔

قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گہری نظر رکھتے ہیں۔خاص طور پر موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریح میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔اس کتاب کی تیاری میں انکا تعاون ہر پہلو سے انتہائی مفید رہا۔انکے تعاون کے بغیر اس کتاب کا منظر عام پر آنا تقریباً ناممکن تھا۔

ناشر

○.....○.....○

یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟

اکابر علماء کرام کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی صحیح بخاری شریف کی تشریحات ہر ایک کو آسانی سے دستیاب ہیں۔ ان کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں تھی لیکن ان کتابوں کے مطالعہ سے میں نے یہ محسوس کیا کہ ایک عام آدمی حدیث شریف کے عملی پہلو کو سمجھنے میں دِقت محسوس کرتا ہے۔ حدیث شریف کے پیغام کو سمجھنے کے بجائے اسکی نگاہ ظاہری الفاظ پر ہی رہتی ہے۔ اس طرح اسکی روزمرہ کی زندگی میں اِسلامی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کیلئے کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔

میں نے اس کتاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ حدیث شریف کے مفہوم کو سادہ اُردو زبان میں بیان کر کے اس پر تفصیلی بحث اس طرز پر کی جائے کہ حدیث شریف کا اصلی مدّعا سمجھ میں آ جائے اور پھر اسکی روشنی میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کیلئے جذبہ پیدا کیا جائے۔

انسان خطا کا پُتلا ہے۔ تمام انسان خطا کار ہیں، بہترین خطا کار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا رہتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے، ''**اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ○**'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۷۲) ترجمہ ''ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر امانت (خلافت) پیش کی۔ انہوں نے اسکے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسکو اُٹھالیا۔ بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا''۔

انسان کی تخلیق کرنے والی ذات یعنی اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ انسان میں

جہالت پائی جاتی ہے یعنی وہ خطا ضرور کرتا ہے، کوئی کم کوئی زیادہ تو ہمیں اس بات پر سیخ پا نہیں ہونا چاہیے کہ ہم خطا کار ہیں۔ اگر ہم اپنی خطاؤں کو پہچان کر رَفتہ رَفتہ ایک ایک کر کے دُور کرتے جائیں تو ہم بہتر سے بہتر انسان بنتے چلے جائیں گے۔ قوم انسانوں کے مجموعہ سے بنتی ہے۔ بہترین انسان بہترین قوم کو جنم دیں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قوم اسی طرح بنی تھی۔ ایک حیرت انگیز قلیل مدت میں وہ انتہائی نچلی سطح سے اُٹھ کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچ گئے تھے۔ وہ اس درجہ کی بہترین قوم بنے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو قرآن حکیم میں ''بہترین اُمت'' کا خطاب دیا۔

''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ''(آلِ عمران۳، آیت۱۱۰) ترجمہ ''تم ایک بہترین اُمت ہو جو کہ تمام انسانوں کی رَہنمائی کیلئے نکالی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رَکھتے ہو''۔ یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کسی دوسری قوم کیلئے استعمال نہیں ہوا۔ یہ آخری اُمت ہے لہٰذا یہ خطاب کسی اور اُمت کیلئے بھی نہیں ہوسکتا۔ انسانی تاریخ میں گزری ہوئی اُمتوں میں سے بھی یہ خطاب کسی کو نہیں دیا گیا۔

ہم بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واسطہ سے اس اُمت کا حصہ ہیں اور ہمارے لیے بھی یہ خطاب ہے لیکن ذرا سوچیے، ہم عملی طور پر کیا ثابت کر رہے ہیں؟ کیا اس زمانہ میں ہم اس خطاب کے لائق ہیں۔ اگر ہم بحیثیت اُمت کے ایک وقت میں سپر پاور تھے تو اب نہیں ہیں۔ ہمیں الفاظ کے ظاہری معنوں پر ہی نہیں رُک جانا چاہیے۔ اگر ہم اَب سپر پاور نہیں ہیں تو بہترین اُمت کا خطاب ہم پر کیسے صادق آسکتا ہے؟ اسکو تو عمل سے ثابت کر کے دکھانا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم آسمان کی بلندیوں سے گر کر تحت الثریٰ پہنچ چکے ہیں۔

ایسا کیوں ہوا؟

ایسا اسلئے ہوا کہ ہم نے قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی پیغام کو مدت دراز سے سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم ان کتابوں کی علمی بحث میں اتنی دُور نکل گئے ہیں کہ انکے عملی پہلو ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم آہستہ آہستہ عمل چھوڑتے چلے گئے اور اب ہمیں قرآن حکیم اور حدیث شریف کو صرف مدرسوں اور مسجدوں میں پڑھنے کی حد تک محدود رکھنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اب ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ گو ظاہراً ہم نے اِسلام کا لبادہ پہنا ہوا ہے مگر ہمارا پورا نظامِ زندگی اصلاً غیر اِسلامی بن چکا ہے۔

اس صورتحال سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔

وہ یہ کہ سب سے پہلے ہم اپنی خطاؤں کو تسلیم کرنا سیکھیں۔ پھر ان خطاؤں کو رَفتہ رَفتہ عمل کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کرتے جائیں جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کیا کرتے تھے۔

اپنی خطاؤں کو نہ ماننا اور ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنی غلط باتوں پر اَڑے رہنا صحیح طریقہ نہیں ہے۔ بدقسمتی سے یہ بات ہم میں بہت زیادہ حد تک موجود ہے۔ اسی وجہ سے ہم پسماندہ سے پسماندہ تر ہوتے جا رہے ہیں۔

جب تک ہم اپنی غلطیوں کو مان کر انکو دُور کرنے کی حکمت عملی اختیار نہیں کریں گے، ہم پسماندہ قوم ہی رہیں گے۔ اس کتاب میں میری یہی کوشش ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کی نشاندہی کریں، انکو تسلیم کریں اور انکو دُور کرنے کیلئے درست حکمت عملی اپنا کر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے اسکے راستے پر اَنتھک کوشش کریں تا کہ ہم پھر ''بہترین اُمت'' کے خطاب سے سرفراز ہو جائیں۔

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

○.....○.....○

عرضِ مؤلف

ڈاکٹر عبدالحمید سلیمان

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ ہر انسان اپنی شخصیت کی ایسی نشوونما کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا مستحق بن جائے۔ شخصیت کی اس نشوونما میں جو کوشش وہ کرتا ہے اور جو مشقتیں وہ اُٹھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسکو اَجر عطا فرماتا ہے۔ یہ اَجر اس دُنیا میں بہترین زندگی کی صورت میں ملتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رَضا حاصل ہوتی ہے اور وہ جنت کا وارث بن جاتا ہے۔

شخصیت کی یہ نشوونما آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کیلئے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہے۔ ایک پودے کی پرورش کیلئے رات دِن اسکی دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ پانی سے سیراب کرنا، گرمی سردی سے بچانا، جانوروں اور انسانوں سے محفوظ رکھنا، کانٹ چھانٹ کرتے رہنا، اسکے تنے اور شاخوں کے رُخ کو سیدھا رکھنے کی کوشش کرتے رہنا انتہائی ضروری ہے۔ اس ساری جانفشانی کا اَجر پھر کچھ سالوں کے بعد اس کے پھل کی صورت میں ملتا ہے۔ پھل کی صحت اور لذت درخت پر کی ہوئی محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ زیادہ محنت سے زیادہ صحت منداور لذیذ پھل حاصل ہوگا۔ محنت میں کوتاہی اور خامیوں کی وجہ سے یہ پودا اور اسکی شاخیں ٹیڑھے ہوسکتے ہیں اور اسکا پھل بھی صحت منداور لذیذ نہیں ہوگا۔ ایسا پھل مارکیٹ میں بہت ہی کم قیمت لاتا ہے۔ اسکے برعکس جس پودے کی پرورش محنت سے کی گئی ہو، اسکا پھل مارکیٹ میں زیادہ قیمت لائے گا۔

اگر آپ نے پودے کی بالکل ہی پرواہ نہیں کی تو وہ سوکھ جائے گا اور اس پر پھل بھی نہیں آئے گا۔ اگر کچھ آیا بھی تو انتہائی ناقص ہوگا اور مارکیٹ میں کوئی لینے کو تیار نہیں ہوگا۔

بالکل ایسی ہی مثال انسان کی ہے۔ انسان جب اپنے شجرۂ ایمان کی محنت سے

پرورش کرتا ہے تو اسکا نتیجہ صحت منداور پسندیدہ اعمال کی صورت میں نکلتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسکی قیمت بڑھ چڑھ کر عطا فرماتا ہے، اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اگر انسان اپنے نفس پر محنت نہیں کرتا تو اسکی پرورش اس سوکھے ہوئے درخت کی طرح ہوتی ہے جس پر پھل نہیں آتا۔ اگر کچھ آتا ہے تو خریدار یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، نہ اس دُنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ ایسے شخص کی مثال اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں یوں فرماتا ہے، ''جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے'' (ابراہیم ۱۴، آیت ۱۸)۔ ایسا انسان دونوں جہانوں میں نقصان اُٹھاتا ہے۔

قوم افراد کے مجموعہ سے بنتی ہے۔ اگر ہر شخص اپنے شجرۂ ایمان کو محنت سے پالے گا تو قوم بھی صحت مند ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ قیمت کی مستحق ہو جائے گی۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جیسا کہ آج کل ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی قوم کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔

اگر حدیثوں کے اس مجموعہ کو اپنی روزمرہ کی زندگی کا معمول بنالیا جائے تو ایک صحت مند شخصیت پروان چڑھے گی اور ایک صحت مند قوم وجود میں آئے گی جیسے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ پھر آپکا یہ حق کہ ''.....اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ۝'' (الانبیاء ۲۱، آیت ۱۰۵) ترجمہ ''.....کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے'' کوئی آپ سے چھین نہیں سکے گا۔

○.....○.....○

پیش لفظ

وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ط وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ ط وَلَایَرْھَقُ وُجُوْھَھُمْ قَتَرٌ وَّلَاذِلَّۃٌ ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ج ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍ بِمِثْلِھَا لا وَتَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ ط مَالَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ ج کَاَنَّمَآ اُغْشِیَتْ وُجُوْھُھُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○

(یونس۱۰، آیت۲۵-۲۶-۲۷)

ترجمہ: (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے اور جسکو چاہتا ہے، صراطِ مستقیم دِکھا دیتا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو نیکی کرتے رہے اور انکے لیے بہترین بدلہ ہے اور کچھ اَور زیادہ اور انکے چہروں پر نہ تو سیاہی چھائی ہوئی ہوگی اور نہ ہی ذِلّت۔ یہ ہیں وہ لوگ جو کہ اہل جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

جن لوگوں نے بُرے کام کیے، انکے لیے اتنی ہی سزا ہے جتنی انہوں نے بُرائی کی اور ان پر ذِلّت کا غبار چھا رہا ہوگا۔ انکو اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ انکے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوگی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں۔ یہ لوگ ہیں جو اہل جہنم ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد جنت میں جانے کا کیا طریقہ ہے اور جہنم کی سزا کن کو ملے گی؟ یہ اب آپ پر منحصر ہے کہ آپ جنت کا راستہ تلاش کرتے ہیں اور اس پر چلتے ہیں یا دوزخ کے راستے پر چلے جا رہے ہیں۔ جب وہ وقت آئے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے تو پھر نیکی کمانے کا وقت ختم ہو چکا ہوگا پھر سوائے افسوس کرنے کے اور کچھ نہیں بَن پڑے گا۔

آج دِن ہے کہ آپ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔ اگر آج کا دِن آپ نے رنگ رلیوں میں گزار دیا یا اپنی خواہشات کو پوجنے میں صَرف کر دِیا تو ہوسکتا ہے کہ کل آپکے لیے نہ آئے۔ آج کے دِن کو غنیمت جانئے اور اپنے رویّے کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے مطابق آہستہ آہستہ تبدیل کرنے کی کوشش کیجئے۔ اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کی پُرخلوص نیّت بنالی تو یاد رکھیں اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ اگر آپ سے کچھ نیکیاں نہیں بھی سرانجام دی جاسکتیں، علالت کی وجہ یا بڑھاپے کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے کیونکہ خلوصِ نیّت بذاتِ خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ خلوصِ نیّت سے اللہ تعالیٰ ہر کام میں برکت عطا فرماتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے، حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''جو سوتے وقت رات کے اُٹھنے کی نیّت کرے (تہجد یا تعلیم کیلئے) پھر صبح تک اسکی آنکھ نہ کھلے تو جو اُس نے نیّت کی، وہ اُسکے لیے لکھی جاتی ہے اور اُسکا سونا خدا کی جانب سے ایک صدقہ ہو جاتا ہے''۔ (سنن ابن ماجہ)

اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم انکو دِکھاتا ہے جو صراطِ مستقیم ڈھونڈنے کیلئے کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ سیدھے راستے کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتے تو یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی مدد نہیں کرتا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب

ہوتا ہوں۔ جو مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک باع قریب ہوتا ہوں۔ جو میری جانب آہستہ آہستہ آتا ہے تو میں اسکی جانب دوڑ کر آتا ہوں۔'' (سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۶۱۶)

اس حدیث شریف پر ذرا غور کریں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ پہلے طالب حق حرکت کرے پھر ''اَلْحَق'' یعنی اللہ تعالیٰ اس کی حرکت میں مدد فرمائیں گے۔ انسان کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے آگے پیچھے فرشتے مقرر فرمائے ہوئے ہیں۔ ان سے مدد حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان پہلے اپنے دِل کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف کر دے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے۔ قرآن کریم میں ہے، ''**لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ط**'' (الرعد ۱۳، آیت ۱۱) ترجمہ ''ہر ایک کے لیے فرشتے ہیں، آگے اور پیچھے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں'' یعنی وہ انسان کو ہر شیطان خواہ وہ جنّات میں سے ہو، انسانوں میں سے ہو یا کوئی دوسری مخلوقات میں سے ہو، اس کی حفاظت کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں لیکن یاد رَہے کہ ان کی مدد حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے، وہ یہ کہ انسان دِل و زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذِکر کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا رہے تو لازمی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شیاطین کے حملوں سے بچا کر سیدھے راستے پر گامزن رَکھے گا۔ یہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے اور انکو جنت کا وارث بناتا ہے۔

اسکے برعکس اگر آپ چوبیس [۲۴] گھنٹوں میں ایسے کاموں میں مشغول رہتے ہیں خواہ وہ ظاہری طور پر آپکی یا لوگوں کی نظر میں نیک ہی ہوں لیکن آپکی نیّت اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی تسکین ہے تو پھر یہ فرشتے آپکی مدد کو نہیں آئیں گے کیونکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو اپنا رَبّ بنالیا ہے۔ خواہ وہ مال ہو، رشتہ دار ہوں، قبیلہ ہو، شہرت ہو، اقتدار ہو وغیرہ وغیرہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَایَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○'' (التوبۃ ۹، آیت ۲۴) ترجمہ ''اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کہہ دو کہ اگر تمہارے والد اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اسکی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا''۔

اس کتاب میں جو احادیث شریف ہم نے لکھی ہیں، وہ بڑے غور وفکر کے بعد چناؤ کر کے لکھی گئی ہیں۔ اگر آپ اپنی زندگی میں ان احادیث شریف پر غور کریں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ ہماری ہر طرف سے مدد کا انتظام فرمائے گا اور ہم عذابِ مھین سے نکل کر باعزت زندگی اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی گزار سکیں گے۔ انشاء اللّٰہ العزیز

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ.....وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہ

○.....○.....○

فہرست مضامین

حدیث نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱	دیدارِ الٰہی..... جنت کی سب سے بڑی نعمت	۱
۲	تقدیر..... عمل کا نتیجہ ہے	۳
۳	قرآن حکیم سیکھنا اور سکھانا..... بہترین عمل ہے	۶
۴	سورۂ بقرۃ کی آخری دو [۲] آیات مبارکہ کی فضیلت	۱۲
۵	نیک عمل میں اُکتاہٹ	۱۶
۶	اتباعِ سنت ہی راہِ نجات ہے	۱۸
۷	اہل ثروت مسلمان اور گمنام مسلمان میں فرق	۲۱
۸	عورت سے حسنِ سلوک	۲۵
۹	ہر آدمی چرواہا (نگہبان) ہے	۲۹
۱۰	سخی اور بخیل	۳۲
۱۱	یتیم کی کفالت	۳۵
۱۲	لوگوں پر خرچ کرنے کی فضیلت	۳۹
۱۳	ذِکر اللہ کی فضیلت	۴۳
۱۴	اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے کی برکت	۴۵
۱۵	سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے مثال سادہ زندگی	۵۱
۱۶	حصولِ مقصد پر سفر سے واپسی کی ترغیب	۵۶
۱۷	کھانے کا برتن صاف کرنے کی برکت	۵۹
۱۸	خدّام کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب	۶۱

۱۹	شہد اور میٹھا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مرغوبات میں سے ہیں	۶۲
۲۰	کھڑے ہوکر پانی پینے کے متعلق	۶۳
۲۱	چاندی [سونا] کے برتن میں کھانا جہنم کی آگ ہے	۶۴
۲۲	مسلمان کی ہر مصیبت پر اللہ تعالیٰ نے اَجر رکھا ہے	۶۶
۲۳	مؤمن اور منافق میں فرق	۶۸
۲۴ تا ۲۸	صبر پر اَجر کا وعدہ	۷۰
۲۹	بیماری سے شفا کی دُعا	۷۴
۳۰	عورت کا معاشرتی زندگی میں کردار	۷۶
۳۱	شہد میں شفا ہے	۷۸
۳۲	سورۂ اخلاص اور معوّذتین کی فضیلت	۸۳
۳۳	متکبر کا ٹھکانہ جہنم ہے	۸۴
۳۴	قبروں پر شرک کرنے والوں کیلئے لعنت	۸۷
۳۵	مؤمن کیلئے دُنیا میں تعیش کی زندگی ناپسند کی گئی ہے	۹۰
۳۶	دائیں کو بائیں پر فضیلت ہے	۹۴
۳۷	نیک عمل کو مسلسل کرتے رہنے کی ترغیب	۹۸
۳۸	ماں کا حق والد سے دُگنا	۱۰۴
۳۹	گالی دینا بداخلاقی ہے	۱۰۷
۴۰	چند بڑے گناہوں کے متعلق	۱۱۰
۴۱	بیوہ اور مسکین کی مدد.....موجبِ اَجرِ عظیم	۱۱۵
۴۲	باغات لگانے کی ترغیب	۱۱۸
۴۳	مؤمن کی چار [۴] صفات	۱۲۱

۴۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھریلو زندگی	۱۲۷
۴۵	چغل خور جہنمی ہے	۱۲۸
۴۶	مدح [تعریف] کرنے کی حوصلہ شکنی	۱۳۰
۴۷	بُرا گمان گناہ ہے	۱۳۲
۴۸	اپنے عیوب کو چھپائیں۔اس میں بھلائی ہے۔	۱۳۵
۴۹	سب سے طاقتور آدمی [غصّے کو کنٹرول کرنے والا]	۱۳۸
۵۱-۵۰	حکمت تجربہ سے آتی ہے	۱۴۲
۵۲	موت سے پہلے اپنی خطاؤں کو لوگوں سے معاف کروالینا	۱۴۵
۵۳	ادنیٰ ترین جنتی کی فضیلت	۱۴۸
۵۴	ایضاً	۱۵۱
۵۵	مساجد جنت کے باغ ہیں	۱۵۷
۵۶	امارت طلب کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ ہے	۱۵۹
۵۷	اہل جنت اور اہل جہنم	۱۶۲
۵۸	اللہ تعالیٰ کا ذِکر	۱۶۵
۵۹	تین [۳] بہترین زمانے	۱۶۷
۶۰	روزِ محشر میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے کے حقدار	۱۷۲
۶۱	دو [۲] اعضا کی حفاظت..... جنت کی ضمانت	۱۷۶
۶۲	خواب کے متعلق	۱۷۹
۶۳	دوسروں کے حقوق اَدا کریں	۱۸۰
۶۴	حکمران اور رعایا	۱۸۲
۶۵	قرآن حکیم پڑھنے والوں کیلئے ایک نصیحت	۱۹۵

٦٦	دِین کی سمجھ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے	١٩٧
٦٧	مغفرت طلب کرنے کیلئے ایک بہترین دُعا	١٩٩
٦٨	اللہ تعالیٰ کی دو[٢] صفات	٢٠٢
٦٩	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیامت میں اپنی اُمت کیلئے شفاعت کی دُعا	٢٠٦
٧٠	دُعا مانگنے کا طریقہ	٢٠٨
٧١	اللہ تعالیٰ سے ملاقات	٢١١
٧٢	اللہ تعالیٰ آپکے گمان (بھروسے) کے قریب ہے	٢١٧
٧٣	اذان کی فضیلت	٢٢٠
٧٤	دُنیا کی محبت ذِلّت آمیز	٢٢٢
٧٥	جہنم سے نجات کا ذریعہ	٢٢٥
٧٦	حکمران اور رعایا	٢٣١

○.....○.....○

حدیث ا: عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ قَیْسٍ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّۃٍ اٰنِیَتُھُمَا وَمَا فِیْھِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَھَبٍ اٰنِیَتُھُمَا وَمَا فِیْھِمَا وَمَا بَیْنَ الْقَوْمِ وَبَیْنَ اَنْ یَّنْظُرُوْا اِلٰی رَبِّھِمْ اِلَّا رِدَاءُ الْکِبْرِ عَلٰی وَجْھِہٖ فِیْ جَنَّۃِ عَدْنٍ۔
(تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۵۵۸)

ترجمہ : حضرت ابوبکر بن عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''دو جنتیں چاندی کی ہیں جنکے برتن اور جو کچھ ان جنتوں میں ہے، سب چاندی کے ہیں اور دو جنتیں سونے کی ہیں، انکے برتن اور جو کچھ ان جنتوں میں ہے، سب سونے کے ہیں۔

جنتِ عدن میں اللہ تعالیٰ کے دِیدار اور لوگوں کے درمیان صرف کبریائی کی چادر حائل ہوگی''۔

نوٹ: حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تم اور بھی کوئی چیز چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے کہ کیا ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے گئے، کیا ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا گیا، کیا ہمیں جہنم سے بچا نہیں لیا گیا'' (ان نعمتوں کے علاوہ ہم اَور کس نعمت کی خواہش کر سکتے ہیں؟) پھر حجاب اُٹھا لیا جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا دِیدار کریں گے اور انہیں کوئی ایسی چیز نہیں دی گئی ہوگی جو اپنے رَبّ تعالیٰ کے دِیدار سے زیادہ دِل پسند ہوگی۔ پھر اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی، ''لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ ط وَلَا یَرْھَقُ وُجُوْھَھُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّۃٌ ط اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ج ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ○'' (یونس ۱۰، آیت ۲۶) ترجمہ ''(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) جن لوگوں نے دُنیا میں اپنے کام بہت خوبصورتی سے سرانجام دیئے (یعنی اللہ تعالیٰ کی خاطر پورے خلوصِ نیّت سے) انکے لیے ہم اَجر بھی بہترین عطا کریں گے اور کچھ اس سے بھی زیادہ (یعنی اللہ تعالیٰ کا دیدار)۔ انکے چہروں پر نہ کوئی (گناہوں

کی) آلودگی کے آثار ہوں گے اور نہ ہی ذِلّت کے۔ یہ ہیں جنت والے جو وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے''۔ (مشکوٰۃ، حدیث ۵۴۱۲، مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اہلِ جنت میں سے سب سے **کم مرتبے** والا جب باغوں، بیویوں، نعمتوں، خدّام اور شاہانہ تختوں کو دیکھے گا تو ایک ہزار سال کی مسافت تک پھیلے ہوں گے اور جنت میں سب سے **اعلیٰ مرتبے** والا وہ ہوگا جو ہر صبح وشام **دیدارِ الٰہی** سے لطف اندوز ہوگا۔ پھر یہ آیت شریفہ پڑھی، ''**وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ○ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ ○**'' (القیٰمۃ ۷۵، آیت ۲۲-۲۳) ترجمہ ''بعض چہرے اس روز روشن ہوں گے (کیونکہ) اپنے رَبّ تعالیٰ کا دِیدار کر رہے ہوں گے''۔ (مشکوٰۃ، حدیث ۵۴۱۳، احمد، ترمذی)

اگر آپ اللہ تعالیٰ کے دِیدار کا شوق رَکھتے ہیں تو **اللہ تعالیٰ کی خاطر پورے خلوص کے ساتھ دِل سے غیر اللہ کو نکال کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اس طرح اطاعت کریں جیسے دیوانہ اپنے مقصد کے پیچھے لگ جاتا ہے**۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا،

؎ گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور..... چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

○.....○.....○

حدیث ۲: عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ جَنَازَۃٍ فَاَخَذَ شَیْئًا فَجَعَلَ یَنْکُتُ بِہٖ الْاَرْضَ فَقَالَ مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ کُتِبَ مَقْعَدُہٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَفَلَا نَتَّکِلُ عَلٰی کِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ ’’ لِمَا خُلِقَ لَہٗ اَمَّا مَنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ السَّعَادَۃِ فَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ اَھْلِ السَّعَادَۃِ وَاَمَّا مَنْ کَانَ مِنْ اَھْلِ الشَّقَآءِ فَیُیَسَّرُ لِعَمَلِ اَھْلِ الشَّقْوَۃِ ثُمَّ قرأ ’’فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی‘‘ الاٰیۃ ۔
(تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۶۳۱)

ترجمہ : حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک جنازے میں شریک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کوئی شے پکڑی اور زمین پر نشان لگانے لگے۔ پھر فرمایا، ’’تم میں سے کوئی ایسا نہیں جسکی جگہ جنت یا جہنم میں لکھی نہیں گئی۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا ہم اپنے لکھے ہوئے پر (یعنی تقدیر پر) بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور عمل چھوڑ دیں؟‘ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ’عمل کرتے رہو۔ ہر انسان جس کام کیلئے پیدا کیا گیا ہے، وہ اسکے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔ جو شخص خوش نصیب ہے، اسکے لیے اچھے کام آسان کر دیئے گئے ہیں اور جو بدنصیب ہے، اسکے لیے بُرے کام آسان کر دیئے گئے ہیں‘۔ پھر یہ تلاوت فرمائی ’’فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ○ ‘‘ (اللیل ۹۲، آیت ۵-۶) ترجمہ ’’جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں لوگوں کو دِیا (یعنی ان تمام نعمتوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اسکو اس دُنیا میں دی تھیں) اور اللہ تعالیٰ سے (اپنے عمل کے بارے میں) ڈرتا رہا اور ہر سچی بات اور سچے عمل کی تصدیق کی‘‘ (اپنی زبان اور عمل سے)

نوٹ: اللہ جل جلالہٗ نے کائنات کی تخلیق کے وقت (بعض روایات میں آتا ہے کہ تخلیق سے

پہلے) ہر چیز کے متعلق پوری تفصیل لکھ دی ہے۔ سورۂ یٰسین میں ہے، ''وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ۝'' (یٰس ۳۶، آیت ۱۲) ترجمہ ''ہم نے سب کچھ ایک واضح کتاب میں لکھ رکھا ہے''۔

ایک لمبی حدیث شریف میں یہ ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یمن کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ اِس دُنیا کی ابتداء کیسے ہوئی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور اسکا عرش پانی پر تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور **لوحِ محفوظ میں ہر ہر چیز لکھ دی**''۔ (یعنی ہر چیز کی تقدیر لکھ دی) (مشکوٰۃ شریف، جلد سوم، حدیث ۵۴۵۳)

ایک حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''**تقدیر کو حاصل کرنے کیلئے بھرپور محنت کرو**''۔ (ترجمان السنۃ از محمد بدرِ عالم) جب تقدیر کا لکھنے والا یعنی اللہ تعالیٰ خود ہی ہے تو وہ ہر غیب کی چیز کو جانتا ہے لہٰذا وہ جانتا ہے کہ یہ انسان نیکی کے کام کرے گا اور جنت میں جائے گا اور وہ انسان بُرے کام کرے گا اور جہنم میں جائے گا۔ جو جنتی ہے، اسکو جنت کے کام آسان لگتے ہیں اور جو جہنمی ہے، اسکو جہنم کے کام آسان لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَ اتَّقٰی ۝ وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ۝ وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَ اسۡتَغۡنٰی ۝ وَ کَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ۝'' (الیل ۹۲، آیات شریفہ ۵-۱۰) ترجمہ ''پس جس نے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو بانٹا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی اپنے قول اور عمل سے تو ہم اس کیلئے آسانی پیدا فرمادیں گے اور جس نے بخل کا طریقہ اختیار کیا (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بانٹنے میں اور ایک طرح سے) بے نیازی اختیار کی (یعنی اللہ تعالیٰ سے) اور اس نے اچھی بات کو جھٹلایا اپنے قول اور فعل سے تو ہم اسکے لیے مصیبت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں''۔

یہاں غور کرنا چاہیے کہ **تقدیر کا فیصلہ انسان کے اعمال پر ہوگا** جو اللہ تعالیٰ

اپنے علم غیب سے پہلے ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے انسانوں کو یہ اختیار دے رَکھا ہے کہ کام کی نوعیت کا اختیار کرنا تمہارا ذِمّہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے یہ بھی بتا دیا کہ اِس نوعیت کا کام جہنم میں لے جانے والا ہے اور اُس نوعیت کا کام جنت میں لے جانے والا ہے۔ **جو ہر ایک کا عمل ہے، وہی اسکی تقدیر ہے۔** گو اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب ہونے کی وجہ سے پہلے ہی اس بات کا علم ہے کہ بُرے کام کون کرے گا اور اچھے کام کون کرے گا؟ اور اپنا وہ علم اس نے لوحِ محفوظ میں لکھ رَکھا ہے۔ قرآن کریم میں ہے، ''**وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝**'' (البلد۹۰، آیت۱۰) ترجمہ ''ہم نے اسکو دونوں راستے دِکھا دیئے'' (یعنی نیکی کا بھی اور بدی کا بھی)۔

اگر آپ چناؤ اچھائی کا کرتے ہیں اور اس پر عمل کی ابتدا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کیلئے وہ راستہ آسان فرما دیتا ہے۔ اگر آپ چناؤ بُرائی کا کرتے ہیں اور اس پر عمل کی ابتدا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وہ راستہ بھی آپ کیلئے آسان فرما دیتے ہیں جیسا کہ اوپر والی آیاتِ مقدسہ سے ظاہر ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۳: عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ اَفْضَلَکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اَوْ عَلَّمَہٗ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۷۰۵)

ترجمہ: امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن حکیم سیکھے اور سکھائے''۔

نوٹ: قرآن حکیم انسانیت کی بھلائی کیلئے ایک ایسی کتاب ہے جسکا کوئی ثانی نہیں کیونکہ یہ اُس ذاتِ بابرکت کی طرف سے لکھی گئی ہے جسکا کوئی ہمسر نہیں۔ مصنف یعنی اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے، ''وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ ص وَادْعُوْا شُھَدَآءَ کُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ ج صلے اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ○ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ط .....''
(البقرۃ ۲، آیت ۲۳-۲۴-۲۵) مفہومی ترجمہ ''اگر تم اس شک میں ہو کہ یہ کتاب یعنی قرآن حکیم جو ہم نے اپنے بندے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کی ہے، اللہ رَبّ العزت کے سوا کسی اَور کی لکھی ہوئی ہے تو پھر تم اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دِکھا دو اور پھر اس کے ثبوت کے لیے اپنے تمام گواہوں کو بلا لاؤ، اگر تم واقعی سچے ہو۔ اگر تم ایسی سورت نہیں بنا سکتے ہو اور ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ تم ہرگز اس جیسی سورت نہیں بنا سکو گے تو پھر اس آگ سے بچنے کا انتظام کرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور یہ ان کے لیے تیار کی گئی ہے جو ہماری اس کتاب کو ماننے اَور اس پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہیں''۔

''اسکے برعکس اگر تم اس کتاب کو مان لو اور اسکو سمجھو اور اس پر عمل کرو تو پھر جو بھی ایسا کرے گا، اسکے لیے ایسے باغات ہیں جنکے نیچے ندیاں بہہ رہی ہیں یعنی وہ ہمیشہ ہرے بھرے رہنے والے ہیں اور تم ہمیشہ ان میں رہو بسو گے''۔

قرآن حکیم کی یہ آیات ہمیں واضح سبق دیتی ہیں کہ قرآن کریم پر عمل کرنے کیلئے سب سے پہلے اسکا یقین کے ساتھ مان لینا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے بہت ضروری ہے۔ اسکے بعد اسکی زبان کو سمجھنا لازمی ہے۔ ہم چونکہ اہلِ عرب میں سے نہیں ہیں اور عربی زبان نہیں جانتے، اسلئے پہلا قدم عربی زبان سیکھنے کا ہے۔ پھر اسکے معیار کو اتنا بلند کرنا ہے کہ ہم عربی محاورہ اور قرآن حکیم کی وسعت اور گہرائی کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرسکیں۔ تب ہی ممکن ہے کہ ہم دوسروں کو وہ قرآن حکیم سمجھاسکیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سمجھایا ہے۔

اسکے بعد دوسرا قدم سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنا ہے۔ اگر ہم عمل نہیں کریں گے تو پھر قرآن حکیم کو سمجھنے اور اسکو پڑھنے سے ہمیں وہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا جو قرآن مجید کی تعلیم کا مقصد ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم کا مقصد صراطِ مستقیم تلاش کرنا اور اس پر چلنا ہے۔ اگر صراطِ مستقیم ہی نہیں ملے گی تو ہمارا جو عمل بھی ہوگا، وہ بڑی حد تک صراطِ مستقیم سے ہٹا ہوا ہوگا جسکے نتائج اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی منفی ہوں گے۔

جیسا کہ خود الفاظ ..... (قرآن حکیم) ..... سے ظاہر ہے اس کتاب کی باتیں حکمت سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر کوئی بات قرآن حکیم میں نہیں ہے لیکن اسکو حکمت کی بات سمجھا جاتا ہے تو وہ ہرگز ہرگز حکمت کی بات نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی ایسی بات جو غلط سمجھی جاتی ہے لیکن قرآن حکیم اسکو حکمت کہتا ہے تو لازماً وہ حکمت ہی کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط'' (المائدۃ ۵، آیت ۳) ترجمہ ''آج میں نے تمہارے لیے دِین کو کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اِسلام کو بہ طور دِین کے پسند کرلیا''۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کیلئے دِین کو مکمل فرمادیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں ہر حکمت کی بات داخل کردی کیونکہ یہ کتاب صرف مسلمانوں کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے تمام انسانوں کیلئے ہے، ''قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا نِ'' (سورۃ الاعراف ۷، آیت ۱۵۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا، کہہ دو کہ اے ''تمام دُنیا کے'' انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں''۔

ہمارا عجیب حال ہے کہ ہم حکمت تلاش کرتے ہیں شیکسپئر، چوسر، برٹرنڈ رسل اور فرائیڈ کی کتابوں میں وغیرہ وغیرہ لیکن ہم بھولے ہوئے ہیں کہ حکمت کی بہترین کتاب تو ہمارے ہر گھر میں موجود ہے۔ حکمت تو اللہ تعالیٰ دینے والا ہے جو کہ ایک بہت بڑی دولت ہے۔ کیا آپ نے قرآن حکیم میں یہ نہیں پڑھا؟ ''**يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝**''(البقرہ۲، آیت۲۶۹) ترجمہ ''جسکو وہ چاہتا ہے، حکمت سے نوازتا ہے اور جسکو حکمت عطا ہوئی، بلاشبہ اسکو بہت بڑی دولت ملی اور غور وفکر تو وہی لوگ کرتے ہیں جو عقل والے ہیں''۔ یعنی قرآن حکیم سے حکمت تلاش کرنے کیلئے اس پر سخت غور وفکر کرنا پڑے گا لیکن ہمارا رویّہ یہ ہے کہ وہ کتاب جو ہمارے ہاں بالکل بے سمجھی سے پڑھی جاتی ہے، وہ قرآن حکیم ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق یوں فرمایا ''**وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝**''(ص۳۸، آیت۲۰) ترجمہ ''ہم نے اسکی بادشاہت کو مضبوط کیا اور اسکو حکمت عطا کی اور بات کرنے میں دوٹوک فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا کی''۔

پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ قرآن حکیم بعض قوموں کو بلند کرتا ہے اور بعض کو پست کرتا ہے''۔ (مسلم، جلد۲، حدیث۱۷۹۴)

حکمت آسانی سے نہیں ملتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''حکمت کی بات مؤمن کی گمشدہ چیز ہے لہٰذا اسے جہاں بھی پائے، وہی اسکا مستحق ہے'' (ترمذی، جلد دوم، حدیث۲۴۹۳)۔ یہ حدیث شریف ہماری اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ حکمت حاصل کرنے کیلئے قرآن حکیم اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سخت محنت کی ضرورت ہے۔ **حکمران کیلئے حکمت ایک لازمی وصف ہے۔ بے وقوف حکمران قوم کو لے ڈوبتا ہے۔** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ریاستِ مدینہ طیبہ کے حکمران بھی تھے۔ اسی طرح حضرت داؤد اور حضرت

سلیمان علیہما السلام جو اپنے اپنے زمانے میں بنی اسرائیل کے نبی اور حکمران رَہے اور اسی طرح طالوت علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کے ایک دانشور حکمران تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ ہم نے انکو حکمت عطا کی۔

اور حضرت طالوت علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ ''**وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط**'' (البقرہ۲، آیت ۲۴۷) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ نے اسکو علم اور جسم میں تم پر فضیلت دی ہے''۔ جب بنی اسرائیل نے حضرت طالوت علیہ السلام کی بادشاہت پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسکو اسلئے تمہارے لیے بادشاہ چنا ہے کیونکہ اس میں جسمانی صلاحیتیں تم سب سے زیادہ ہیں اور ہم نے اسکو علم عطا فرمایا ہے۔ جسمانی صلاحیتوں کا مطلب یہاں طبعی صحت، دماغی صحت اور روحانی صحت مراد ہیں۔ حکمت صحت کامل یعنی طبعی، دماغی اور اخلاقی صحت سے آتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا، ''**وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ○**'' (ص ۳۸، آیت ۲۰) ترجمہ ''اور ہم نے انکی بادشاہی کو مستحکم کیا اور انکو حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی''۔ یہاں اللہ تعالیٰ اس بات کی طرف اشارہ فرما رہا ہے کہ **ملک اور بادشاہت کا استحکام اور مضبوطی حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے پر منحصر ہے۔**

حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو کہ اہل زبان اور سب حافظِ قرآن تھے۔ وہ قرآنِ حکیم اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیان کردہ حکمتوں سے واقف تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○**'' (آلِ عمران۳، آیت ۱۶۴) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر بڑا احسان فرمایا ہے کہ ان ہی میں سے ایک پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجے جو انکو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور انکو اخلاقی و روحانی بیماریوں سے پاک کرتے ہیں اور کتاب (قرآن حکیم) اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح (واضح) گمراہی میں تھے''۔

ان تمام حکمرانوں کے زمانہ میں قومیں بامِ عروج تک پہنچ گئیں تھیں کیونکہ انہوں نے حکمت سے حکمرانی کی تھی۔

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آزاد خطّہ اسلئے دیا تھا کہ اسکا نظام قرآن حکیم پر ہی چلے گا، وہ مسلسل ان لوگوں کے ہاتھ میں رَہا اور ابھی تک ہے جو قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر محنت کرنا تو درکنار، انکو چھوتے بھی نہیں ہیں۔ نتیجتاً ان سب کی حکمرانی کا طرز جاہلانہ رَہا۔ جب تک عنانِ حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں نہیں آئے گا جو قرآن حکیم اور احادیث شریف سے حکمت حاصل کرتے ہیں، ہمارا راستہ صراطِ مستقیم سے بدستور دُور رہے گا اور ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلسل محروم رہیں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب سے اپنی پناہ میں رَکھے اور ہمیں ایسے حکمران دے جن کو اللہ تعالیٰ قرآن حکیم اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اور حکمت سیکھنے اور دوسروں کو سکھانے کی توفیق عطا فرمائے [آمین]

یاد رَہے کہ قرآن حکیم کا علم اور حکمت لباس میں نہیں ہے، یہ تقویٰ اور عمل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی لباس کی وضع قطع بیان نہیں فرمائی، نہ ہی اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی خاص لباس کی تلقین فرمائی ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم اور حکمت انسان کے تقویٰ پر منحصر ہے اور تقویٰ نہ تو مسجدوں میں بیٹھ کر آتا ہے، نہ ہی دستار بندیوں سے بلکہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے آتا ہے خواہ اسکا لباس کوئی ہو اور وہ کہیں کا پڑھا ہوا ہو۔

لباس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صرف اتنا فرمایا، ''وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیْرٌ ''ط'' (الاعراف ۷، آیت ۲۶) ترجمہ ''اور تقویٰ کا لباس سب سے بہتر ہے''۔

قرآن حکیم کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا تقویٰ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے شروع میں ہی یہ فرمادیا تھا کہ ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝'' (البقرۃ ۲، آیت ۲) ترجمہ ''یہ ہدایت ہے صرف متقیوں کیلئے''۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے غیر مسلم خاص طور پر مغربی ممالک کے شہری قرآن حکیم کو عربی، انگریزی، جرمن اور فارسی وغیرہ میں علم حاصل کرنے کیلئے اور قرآن حکیم کی حکمت کی باتیں جاننے کیلئے اسکا مطالعہ کرتے ہیں اور ہم سے زیادہ گہرا مطالعہ کرتے ہیں لیکن ان میں سے اکثریت ایسی ہوتی ہے جو ایمان نہیں

لاتے کیونکہ وہ تقویٰ سے خالی ہوتے ہیں۔

تقویٰ ایک دِلی کیفیت ہے۔ جو دِل اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتا ہے کہ اسکی نصیحتوں کو اگر چھوڑا جائے گا تو اسکو سخت سزا ملنے کا اندیشہ ہوگا تو وہ انسان تقویٰ کی راہ پر ہے لہٰذا قرآن حکیم سے پوری طرح فائدہ اُٹھانے کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر تقویٰ پیدا کرے۔ یہ ایک دِن کی بات نہیں ہے، یہ مسلسل روزانہ کا **قلبی عمل** ہے کہ وہ اپنے دِل کو اللہ تعالیٰ کے ذِکر کا اتنا عادی بنالے کہ وہ ہر کام کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی نصیحتوں کو یاد رَکھے۔ پہلا قدم یہ نیّت کرنا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چاہتا ہوں پھر وہ سنجیدگی سے عربی زبان سیکھنے کا اِرادہ کرلے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے اور اسکی مدد مانگتے ہوئے اس پر چل پڑے۔ جب یہ پہلا قدم صحیح ہو جائے گا تو پھر صراطِ مستقیم آپکے سامنے ایسے کھلتی جائے گی کہ آپ خود حیران ہوں گے کہ یہ راستہ جسکو میں بہت مشکل سمجھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے کتنا آسان کردیا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۴: عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَلْاٰیَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ مِنْ قَرَأَ بِھِمَا فِیْ لَیْلَۃٍ کَفَتَاہُ ۔(تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۷۱۹)

ترجمہ : حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''سورۂ بقرہ کی آخری دو[۲] آیتیں ہیں جو کوئی انہیں رات کو پڑھے، وہ اس کیلئے کافی ہیں''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ مؤمن کو نمازِ تہجد ضرور پڑھنی چاہیے گو یہ فرض نہیں ہے لیکن اسکی بہت بڑی فضیلت ہے اور اس میں ان دو[۲] مبارک آیات کا پڑھنا بہت مفید ہے۔ ان مبارک آیات میں ایمان کی تجدید اور مغفرت کا سوال ہے۔ یہ دو[۲] باتیں صراطِ مستقیم پر چلنے کیلئے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

ان مبارک آیات میں یہ بھی ہے، ''**فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ○**'' (البقرۃ ۲، آیت ۲۸۶) ترجمہ ''اور ہمیں کافروں پر کامیابی عطا فرما''۔ تہجد کے وقت یہ دُعا مانگنا اسلئے بھی ضروری ہے کہ **ملکی دفاع دراَصل دِین کا دفاع ہے**۔ جب آپ آزاد ہوں گے اور کافروں پر غالب رَہیں گے تب ہی اللہ تعالیٰ کے دِین کو نافذ کرسکیں گے اور آگے دُنیا کو پہنچاسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے دِین کو نافذ کرنا اور اسکو تمام دُنیا تک پہنچانا مؤمن کے اوّل ترین فرائض میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا، ''**اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ'' لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○**'' (التوبۃ ۹، آیت ۴۱) ترجمہ ''نکلو (اپنے گھروں سے) باہر خواہ تم ہلکے ہو (یعنی قلیل وسائل رَکھتے ہو) خواہ بھاری ہو (یعنی کافی وسائل رَکھتے ہو) اور سخت جدوجہد کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال سے اور اپنی ذاتی صلاحیتوں سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے کاش کہ تم جان لو''۔

تہجد کا وقت ایسا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کیلئے مقرر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جو بندے اللہ تعالیٰ سے محبت رَکھتے ہیں، وہی اپنی گہری نیند سے اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرنے کیلئے تہجد کی نماز کے عادی بنتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کے تیسرے حصّے میں آسمانِ دُنیا پر آ کر ندا فرماتا ہے کہ کوئی ہے مانگنے والا کہ میں اسکو دوں، کوئی ہے مغفرت طلب کرنے والا کہ میں اسکو بخش دوں۔ (سنن ابوداؤد، حدیث ۱۳۰۱) خوش قسمت وہ ہے جو اس وقت اللہ تعالیٰ سے دُنیا اور آخرت کی نعمتیں مانگتا ہے اور اسکی دُعا قبول ہو جاتی ہے اور اپنی اور اپنے والدین اور عزیز و اقارب کی مغفرت کیلئے دُعا کرتا ہے اور اسکی دُعا قبول ہو جاتی ہے۔ کیا آپ سوچتے نہیں کہ جب دینے والا خود آواز دے کہ آؤ میرے پاس، میں تمہیں دیتا ہوں تو آپ جب اس سے مانگنے کیلئے آئیں گے تو کیا وہ آپکو محروم کرے گا؟

سستی اور کم ہمتی ہم میں ہے، دینے والے میں نہیں۔ تمام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تہجد گزار تھے بلکہ وہ اتنا جذبہ رَکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انکو شب بیداری میں کمی کرنے کی نصیحت فرمائی۔ کچھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے متعلق پتہ چلا کہ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں اور دِن کو روزہ رَکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انکو بلایا اور فرمایا کہ ''دیکھو! اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈَرنے والا مَیں ہوں لیکن میں رات کو سوتا بھی ہوں، عبادت بھی کرتا ہوں۔ دِن کو کبھی روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رَکھتا۔ تمہاری بیویوں کے بھی کچھ حقوق ہیں، ان حقوق کا خیال رَکھو۔ تمہاری آنکھ کے بھی کچھ حقوق ہیں، اسکا بھی خیال رَکھو۔ تمہارے جسم کے بھی تم پر کچھ حقوق ہیں، انکا بھی خیال رَکھو''۔ مطلب یہ تھا کہ ہر چیز اپنے اعتدال پر ہونی چاہیے۔ نہ ہی بہت زیادہ عبادت اور نہ ہی لاپرواہی۔ **ایک متوازن صورت پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے حقوق، بندوں کے حقوق اور اپنے حقوق پورے کرنے چاہییں۔**

آج کل تو صورت ہی بالکل برعکس ہو چکی ہے۔ تہجد کی نماز کا تو کیا کہنا، پانچ وقت کی نماز پڑھنے والے سارے معاشرے میں اب آٹے میں نمک کے برابر رَہ گئے ہیں۔ جو نماز پڑھتے ہیں، ان میں خشوع وخضوع [توجہ] کہیں نظر نہیں آتا۔ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسجد میں تو بہت سے نمازی ہوں گے لیکن

خشوع وخضوع [توجہ] سے نماز پڑھنے والا ایک بھی نظر نہیں آئے گا۔ آج کل یہی صورت ہے کہ جو مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے آجاتے ہیں، ان میں خشوع وخضوع [توجہ] شاذ ہی نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کا محبوب ترین عمل فرض نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا ہے (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۵۰۶)۔ جب ہماری فرض نماز بہت ہی ادنیٰ معیار کی ہے تو پھر ہمارا حشر جو ہو رہا ہے، اس پر ہمیں افسوس کرنے کے بجائے **نئی ہمت پیدا کرنی چاہیے** کہ ہم نماز کے متعلق شعور کو معاشرے میں زیادہ پھیلائیں اور خشوع وخضوع [توجہ] کی عادت ڈالنے کی محنت کریں۔

خشوع وخضوع [توجہ] پیدا کرنے کیلئے دو [۲] بنیادی ضرورتوں کا ہونا لازمی ہے، ایک عربی زبان سے واقفیت اور دوسرا قرآن حکیم کو براہِ راست عربی زبان میں سمجھنے کی کوشش کرنا۔ جب ہم عربی زبان میں قرآن حکیم سمجھیں گے تو دِل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوگا اور اسکی محبت کا جذبہ اُبھرے گا کیونکہ جب آپ اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کی زبان میں پڑھتے ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ سے محوِ گفتگو ہوتے ہیں۔ جب آپ قرآن حکیم براہِ راست عربی زبان میں نماز میں تلاوت کریں گے تو آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست مناجات کر رہے ہیں اور اس طریقہ سے شیطان آپکو دُنیا کے معاملات میں اُلجھانے سے باز رَہ سکتا ہے۔ اسکے برعکس اگر ہم نماز میں قرآن حکیم پڑھ تو رہے ہیں لیکن سمجھ نہیں رہے تو ہمارا دِل قرآن حکیم کے مفہوم کے ساتھ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''نماز اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ مناجات ہیں''۔ (ترمذی)

ہم میں سے ہر انسان کو چاہیے کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے عربی زبان خود سیکھے اور اسکو عام کرنے کیلئے انفرادی واجتماعی کوشش کرے۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کے کلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی زبان میں مناجات نہیں کریں گے، ہم اللہ تعالیٰ کو دوست نہیں بنا سکتے پھر آپ دیکھیں گے کہ تہجد پڑھنے میں کتنا لطف آتا ہے اور آپکے انفرادی اور ملکی حالات کیسے بدلتے جاتے ہیں۔ تہجد مؤمن میں ایسی ہمت اور جرأت پیدا کر دیتی ہے کہ پھر اسکے سامنے کوئی قوت ٹھہر نہیں سکتی کیونکہ اس کے دِل میں اللہ تعالیٰ کی ذات جو کہ سب سے بڑی ذات ہے [اَللّٰہُ اَکْبَر] گھر کر چکی ہے اور ہر وقت آپکی مدد کیلئے تیار

ہے پھر آپ دیکھیں گے کہ وہ قوتیں جو ہمیں چاروں طرف سے اذیت دینے کیلئے متحد ہو جاتی ہیں، وہ ایسے چھٹ جائیں گی جیسے بادل سورج کے سامنے چھٹ جاتے ہیں۔

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وَحْـدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَـہُ الْـحَـمْـدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں اَور کوئی دوسرا حاکم نہیں ہے۔ اس کی ذات تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اُسی کی ہے اور تمام تعریفیں اُسی کے لیے ہیں۔ وہی زندگی بخشتا ہے، وہی موت دیتا ہے۔ تمام کی تمام بھلائیاں اُسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہ ہر کام کرنے کی طاقت رَکھتا ہے۔

وَمَا عَلَیْنَـآ اِلَّا الْبَـلَاغُ الْمُبِیْن

نوٹ: اس حدیث شریف کی مختصر تشریح ہم نے جلد سوم میں حدیث نمبر ۴۰، صفحہ نمبر ۹۲ پر لکھ دی تھی۔ یہاں ہم نے اسکو مزید تفصیل سے لکھا ہے۔ موجودہ تشریح کے ساتھ جلد سوم کی تشریح کا بھی مطالعہ فرمالیں تو آپکے لیے مفید ہوگا۔

○.....○.....○

حدیث ۵: عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوْبُکُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْہُ' ۔(تفہیم البخاری، جلد ہفتم، حدیث ۴۷۴۰)

ترجمہ : حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''قرآن پڑھو جب تک تمہارے دِلوں میں شوق برقرار رَہے اور جب اسکے برعکس ہو یعنی دِل اُکتانے لگے تو اُٹھ جایا کرو''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کو وہ نیکی پسند ہے جو شوق سے کی جائے۔ مجبوری میں کیا ہوا نیک عمل شاید اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔

اکثر ایسے ہوتا ہے کہ نیک عمل شروع شروع میں بوجھل محسوس ہوتا ہے لیکن اسکو چھوڑنا نہیں چاہیے بلکہ مسلسل کرتے رہنا چاہیے پھر ایک وقت آتا ہے کہ شیطان آپکا پیچھا چھوڑ دیتا ہے اور نیک عمل میں آپکو لطف آنے لگتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے اُمید رَکھی جاسکتی ہے کہ جب سے نیک عمل شروع کیا، اللہ تعالیٰ انسانی کمزوری کو مدِّنظر رَکھتے ہوئے ساری عمر کا وہ عمل قبول فرمالیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''**وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ○**'' (البقرہ ۲، آیت ۸) ترجمہ ''لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے (لیکن ہمیں علم ہے کہ) وہ مؤمن نہیں ہیں (بلکہ وہ منافقین ہیں)''۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ج صلے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ لا قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ لا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ ○**'' (البقرۃ ۲، آیت ۱۴) ترجمہ ''جب وہ مؤمنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم ایمان لائے۔ جب وہ اپنے شیاطین سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو ان سے صرف ہنسی مذاق کے طور پر ایمان لانے کا کہہ رہے تھے''۔

دَراصل وہ ہنسی مذاق کی وجہ سے ایمان کا نہیں کہتے تھے بلکہ وہ حقیقتاً جرأت مند نہ

ہونے کی وجہ سے مؤمنین کے سامنے انکار بھی نہیں کر سکتے تھے اور کافرین کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان بھی نہیں کر سکتے تھے گویا کہ وہ مجبوری میں اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے لیکن دَراصل وہ کافر تھے۔ چونکہ انکا یہ عمل مجبوری میں تھا، اسلئے وہ اللہ تعالیٰ کو قبول نہ ہوا۔ اگر وہ خلوص سے مؤمنین کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں پُرخلوص مؤمن بننے کی توفیق عطا فرماتا۔

اسی طرح یادرَکھیں کہ قرآن حکیم کو خلوصِ نیّت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کی غرض سے پڑھیں تا کہ آپکو اللہ تعالیٰ ہدایت کا راستہ دِکھائے۔ یادرَکھیے کہ قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا کوئی دوسری کتابیں دُنیا میں نہیں ہیں جو آپکو صراطِ مستقیم کی طرف لے جانے والی ہوں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۶: عَنْ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ جَاءَ ثَلٰثَۃُ رَھْطٍ اِلٰی بُیُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ یَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا کَاَنَّھُمْ تَقَالُّوْھَا فَقَالُوْا وَاَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَحَدُھُمْ اَمَّا اَنَا فَاِنِّیْ اُصَلِّیْ اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ اٰخرُ اَنَا اَصُوْمُ الدَّھْرَ وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ اٰخرُ وَاَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اِلَیْھِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَ اُفْطِرُ وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَ اَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۴۷۴۳)

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تین آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھتے تھے۔ جب انہیں خبر دی گئی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کو کم جانا اور کہا، ''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کہاں ہیں (ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برابری نہیں کر سکتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے اور پچھلے گناہ بخشے ہوئے ہیں (لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبادت میں زیادہ کوشش کی ضرورت نہیں)''۔ اُن میں سے ایک نے کہا، ''میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا''۔ دوسرے نے کہا، ''میں سارا سال روزہ سے رہوں گا اور افطار نہ کروں گا'' اور تیسرے نے کہا، ''میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا، کبھی نکاح نہ کروں گا''۔ اتنے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا، ''تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔ خبردار! بخدا! میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ جل جلالہٗ سے ڈرتا ہوں لیکن میں

روزے رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میرے طریقے پر عمل کرنے سے گریز کیا، وہ میرے فرمانبرداروں میں سے نہیں ہے''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس تمہارے لیے پوری زندگی کا بہترین نمونہ ہے، ''**لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝**'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۲۱) ترجمہ ''بے شک تمہارے لیے اللہ جل شانہٗ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں بہترین نمونہ عمل موجود ہے۔ اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دِن پر یقین رَکھتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول و فعل متوازن اور عدل پر تھا۔

کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابو سلیم حبیب بن اسلم راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق جو کہ اپنے زمانے کے متقی بزرگوں میں شمار کیے جاتے تھے، ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

لکھتے ہیں کہ ''حضرت راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دریائے فرات کے کنارے رہتے تھے اور بکریاں چرایا کرتے تھے۔ آپکا طریقہء زندگی گوشہ نشینی کا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور ایک بھیڑیا آپکی بکریوں کی حفاظت کر رہا ہے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ آپ نے فرمایا، بیٹے کیسے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ حضور کی زیارت کیلئے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا، جزاک اللہ!۔ راوی (یکے از مشائخ رحمہم اللہ) کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا، اے شیخ! میں بھیڑیے کی بکریوں سے موافقت دیکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب ان بکریوں کا چرواہا خداوند کریم کے موافق ہے تو بھیڑیا (جو اسکی مخلوق ہے) اسکی بکریوں کے موافق کیوں نہ ہو۔ آپ نے اتنی بات کہی اور ایک لکڑی کا پیالہ پتھر کے نیچے رکھا۔ اس پتھر سے دو [۲] چشمے بہہ نکلے، ایک دودھ کا اور دوسرا شہد کا اور آپ نے فرمایا، لو! پی لو۔ میں نے عرض کیا، اے شیخ! آپ نے یہ درجہ کس طرح پایا؟ آپ نے فرمایا، بس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریقہء زندگی پر مسلسل عمل کرنے سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی ہی صحیح اور مکمل دِین ہے۔ اگر ہم اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی کریں گے تو لازماً گمراہ ہو جائیں گے۔ دِین میں کمی بیشی کا نام ''بدعت'' رَکھا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''ہر **بدعت گمراہی ہے**''۔

انتہا پسندی کے بھی بہت سے نقصانات ہیں۔ اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چھوڑنے سے یہاں بھی اور وہاں بھی نقصانات ہیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک سفر میں فرمایا کہ ہم لوگ آج رات اندھیرے ہی میں چل پڑیں گے لہٰذا ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص سفر نہ کرے جسکی اونٹنی کمزور یا سخت مزاج ہو لیکن ایک شخص اپنی سخت مزاج اونٹنی پر سوار ہو کر چل پڑا۔ چنانچہ وہ اس سے گرا اور اسکی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم فرمایا کہ اسکو دفن کر دیا جائے پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ وہ پکار کر یہ کہہ دیں کہ جنت نافرمانوں کیلئے نہیں ہے۔ (مستدرک، ترجمان السنہ از بدر عالم)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۷: عَنْ سَهْلٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ مَرَّ رَجُل'' عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِیْ هٰذَا؟ قَالُوْا حُرِیّ'' اِنْ خَطَبَ اَنْ یُنْکَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ یُّشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ اَنْ یُّسْتَمَعَ قَالَ ثُمَّ سَکَتَ فَمَرَّ رَجُل'' مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ فَقَالَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِیْ هٰذَا؟ قَالُوْا حُرِیّ'' اِنْ خَطَبَ اَنْ لَا یُنْکَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَلَّا یُشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ اَلَّا یُسْتَمَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ هٰذَا خَیْر'' مِّنْ مِلْءِ الْاَرْضِ مِثْلِ هٰذَا ۔(تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۴۷۷۰)

ترجمہ : حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس سے گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ''یہ شخص اس لائق ہے کہ اگر یہ کہیں پیغام بھیجے تو اسکو نکاح کیلئے قبول کیا جائے گا اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے گی، اگر یہ کوئی بات کرے تو اسکی بات سنی جائے گی''۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاموش ہو گئے۔ اتنے میں غریب مسلمین سے ایک آدمی گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اسکے متعلق تم کیا کہتے ہو؟'' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ''یہ اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے تو قبول نہ کیا جائے، اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے، اگر کوئی بات کرے تو سنی نہ جائے''۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''یہ اکیلا ایک شخص (یعنی دوسرا) ان تمام لوگوں سے بہتر ہے اگر پہلی قسم کے لوگوں سے زمین بھر جائے''۔

نوٹ: دولت، شان وشوکت، سفید پوشی اور اقتدار اکثر لوگوں کو تقویٰ سے دُور کر دیتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں انسان میں عام طور پر رِیا اور تکبر پیدا کرتی ہیں۔ دولت مزید ظلم کرنے اور معاشرے میں بُرائی کی ابتداء کرنے اور پھیلانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ دولت مند عام طور پر

حریص اور کنجوس ہوتا ہے۔ یہ حرص اسکو مال کمانے میں حرام پر مجبور کرتی ہے اور اسکی کنجوسی اس مال کو صحیح راستے پر خرچ کرنے سے روکتی ہے۔

دولت کی کمی سے دوسروں پر ظلم کرنے کا موقع نہیں ملتا بلکہ غریب آدمی ظلم کا بدلہ بھی نہیں لے سکتا، وہ ظلم پر صبر کرتا ہے۔ غربت کی وجہ سے وہ شان وشوکت نہیں حاصل کر سکتا، اسلئے رِیا اور تکبر سے پاک رہتا ہے۔ دولت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بُرائی نہیں پھیلا سکتا۔ غربت کی وجہ سے زندگی کی آسائشیں حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ محرومیاں اس کیلئے جنت میں پوری کی جائیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''فقراء، مساکین اور غریب دولت مندوں کی نسبت (وہ دولت مند جنکی کمائی حلال کی اور انفاق صحیح راستے پر، وہ جنتی ہوں گے) پانچ سو [۵۰۰] سال پہلے جنت میں جائیں گے''۔ (جامع ترمذی، حدیث ۲۱۶۸)

عام طور پر دولت مند لوگوں کی اکثریت غلط کاموں میں ملوّث ہوتی ہے۔ اگر وہ اچھا کام کریں بھی تو رِیا کی خاطر کرتے ہیں۔ ایک بہت ہی قلیل تعداد امیر لوگوں کی ہے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے کہ بغیر رِیا اور تکبر کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کریں۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما امیر ترین لوگوں میں سے تھے۔ دونوں ہی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو جنت کی بشارت انکی زندگی ہی میں دی تھی۔ (مشکوٰۃ شریف، باب مناقب العشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

ثعلبہ ایک شخص تھا، مسجد نبوی کا پکا نمازی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دُعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ میرے مال کو زیادہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو [۲] دفعہ سمجھایا کہ جو تمہارے پاس ہے، یہی بہتر ہے لیکن وہ دُعا پر بضد رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا فرمائی۔ اسکا مال بڑھنا شروع ہوگیا اور مسجد کی حاضری کم ہوتی گئی پھر آخر ختم ہوگئی۔ زکوٰۃ کا مہینہ آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاملینِ زکوٰۃ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا پھر غلطی کا احساس ہوا تو خود زکوٰۃ لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ لینے سے

انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس زکوٰۃ لے کر گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی زکوٰۃ لینے سے انکار کر دیا۔ آخر میں وہ کافر (مرتد) ہو کر مرا۔ (کچھ تھوڑی سی روایت کے اختلاف کے ساتھ دیکھیں کشف المحجوب ترجمہ میاں طفیل محمد.....کھانے کے آداب)

میرا اور آپکا مشاہدہ ہے کہ دولت اکثر لوگوں کو بے شمار بُرائیوں میں مبتلا کر دیتی ہے جو کہ جہنم کا راستہ ہے۔ بہت کم دولت مند ایسے ہوتے ہیں جو جنت خریدتے ہیں۔

غربت ایک حد تک بُرائیوں سے بچاتی ہے۔ شدّت کی غربت بھی بُرائی کی طرف لے جاتی ہے۔ اتنی شدید غربت سے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رَکھے لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے کی غربت نہ پہلے کبھی دیکھی گئی اور نہ ہی بعد میں لیکن **انہوں نے ایمان پر وہ استقامت دِکھائی جو پوری انسانیت کیلئے ایک مثال ہے۔**

مسٹر کونسٹن ورجیل اپنی کتاب ''عکس سیرت نمبر''، سیارہ ڈائجسٹ، ماہ اکتوبر ۲۰۰۶ء کے سترہویں ایڈیشن میں یوں رقم طراز ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ الکریم نے ایک یہودی سے معاہدہ کیا کہ اسکے مکان کیلئے پانی کا بندوبست اس شرط پر ہوگا کہ وہ ایک ڈول کے بدلے حضرت علی کرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک کھجور دے گا۔ مصنف لکھتا ہے کہ حضرت علی کرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دِن میں چودہ [۱۴] ڈول لاتے اور یہودی سے چودہ [۱۴] کھجوریں حاصل کرتے۔ اس میں سے سات [۷] کھجوریں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر بھیجتے اور سات [۷] کھجوریں اپنے گھر لے جاتے۔ یہ تھی حالت ریاست مدینہ کی معیشت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں اور یہ حالت امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک کے زمانے میں ترقی کر کے اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر بچے کا وظیفہ مقرر فرما دیا تھا۔ یہ اسلئے ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سخت محنت ومشقت کی عادت ڈال دی تھی۔ اس محنت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انکی غربت کو دُور فرما دیا۔

برازیل کے ایک پروفیسر اپنی ایک کتاب ''کیپٹل اینڈ ڈویلپمنٹ'' میں لکھتے ہیں

کہ ''دولت دولت پیدا نہیں کرتی بلکہ محنت دولت پیدا کرتی ہے''۔

اَور اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''**وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ○**'' (النجم ۵۳، آیت ۳۹) ترجمہ ''اور یہ کہ **انسان کو وہی ملتا ہے جسکی وہ کوشش کرتا ہے**''۔ یہ آیت شریفہ اس دُنیا کی کوشش اور آخرت کیلئے کوشش پر بالکل صادق آتی ہے۔ جو انسان دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاطر محنت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسکو دُنیا بھی دے گا اور آخرت بھی۔ ہم نے قسمت کا مطلب یہ لے لیا ہے کہ کام تو ہم نہ کریں لیکن ہمارے پاس دولت آتی جائے پھر جب دولت آتی نہیں تو ہم اوپر سے لے کر نچلے طبقے تک کرپشن کے ذریعے وہ دولت اکٹھی کرتے ہیں، اس طرح اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ ہمارے حکمران تو تقریباً سب کے سب ہی اس مکروہ دھندے میں ملوّث ہیں۔ شاید ہی کوئی ایک آدھ سیاسی لیڈر بے داغ کردار کا مالک ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظاہری شان وشوکت اور مال و دولت کی کثرت کوئی معنی نہیں رَکھتی۔ **جو چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، وہ انسان کا تقویٰ ہے۔**

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''**اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط**'' (الحجرات ۴۹، آیت ۱۳) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ قابلِ احترام وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے''۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

○.....○.....○

حدیث ۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِی جَارَهٗ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ کَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَکْتَهٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۴۸۵۴)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دِن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسایہ کو دُکھ نہ دے اور عورتوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی اُوپر والی ہے۔ اگر تو اسے سیدھی کرے گا تو اسے توڑ دے گا اور اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دے گا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہو''۔

نوٹ: یہاں ہمسایوں اور عورتوں سے حسنِ سلوک کی نصیحت کی گئی ہے۔

عورت میں بہت سی خامیاں ہیں۔ جو جبلّتی خامیاں ہیں وہ تو کسی انسان سے نہیں جاتیں مگر وہ خامیاں جو بچپن میں عادتاً پیدا ہو جاتی ہیں، وہ ٹھیک کرنے پر درست ہو جاتی ہیں۔

جبلّتی خامیاں چونکہ درست نہیں ہو سکتیں، اسلئے انسان کو ان پر صبر کرنا چاہیے اور عورت کے ساتھ ان خامیاں کی وجہ سے بدسلوکی نہیں کرنی چاہیے۔

یہ ایک آفاقی سچائی (Universal Truth) ہے کہ جبلّت کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ ''جبل گردد، جبلّت نہ گردد'' یعنی پہاڑ تو اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر جبلّت تبدیل نہیں ہو سکتی۔

مرد کا تعلق عورت سے کئی روپ میں ہے۔ بیوی کی حیثیت سے، ماں، بہن، بیٹی، بہو، بھتیجی، بھانجی، نواسی، پوتی وغیرہ وغیرہ، ان سب کے ساتھ حسنِ سلوک کی نصیحت ہے۔

اسکے علاوہ کاروبارِ زندگی میں کئی مقامات پر عورت سے واسطہ پڑتا ہے، ان سے بھی حسنِ سلوک کی نصیحت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم میں بہترین وہ ہے جسکے اخلاق بہترین ہیں اور تم میں بہترین اخلاق والا وہ ہے جسکے اخلاق اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے ہیں''۔ (ترمذی) اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترغیب دی کہ اچھے اخلاق اپناؤ گے تو **بہترین انسان** بن جاؤ گے۔ یادرکھیں بہترین انسان کا مقام اس دُنیا میں بھی اللہ تعالیٰ بہترین بناتا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اسکا مقام جنت بن جاتا ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ ''ہر مسلمان کے ساتھ خیرخواہ رہوں گا''۔ (نسائی، حدیث ۴۱۶۳)

اپنی اخلاقی تربیت کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرزِ زندگی کو مشعلِ راہ بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا، ''**وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○**'' (القلم ۶۸، آیت ۴) ترجمہ ''اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہیں''۔

ذرا ہم آج کل اپنے معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جیسے ہم ہیں ویسے ہی دُنیا کے باقی مسلمان بھی ہیں۔ آج کل ہم نے صحیح اخلاق بدل کر مصنوعی اخلاق کے معیار قائم کیے ہوئے ہیں مثلاً جو جھوٹا اور چرب زبان ہے، ہم اسکو کہتے ہیں کہ یہ بڑا ہوشیار ہے۔ جو زور آور ہے اور قانون کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، ہم اسکو کہتے ہیں کہ بہادر ہے۔ جو جھوٹی گواہی دینے کیلئے تیار ہو جاتا ہے، ہم اسکو کہہ دیتے ہیں کہ یہ بڑا حوصلہ رکھتا ہے۔ جو جان بوجھ کر قانون شکنی کرتا ہے جیسے ہمارے اسمبلیوں کے نمائندے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ اسکے ہاتھ لمبے ہیں۔ جو انسان شرافت سے بات کرتا ہے، اسکو ہم کہتے ہیں کہ یہ بزدِل ہے۔ جو صحیح صحیح بات کرنے کی کوشش کرتا ہے، اسکو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بدھو ہے۔ جو بہت قسمیں کھانے والا ہے، ہم اسکو سمجھتے ہیں کہ یہ سچ بول رہا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے جھوٹ کو چھپانے کیلئے قسمیں کھا رہا ہے۔ جو حکمران ہر قانون کو بالائے طاق رکھ کر اپنی مرضی کرتا ہے، ہم اسکو کہتے ہیں کہ یہ مدبر ہے۔ اس طرح ہم نے خود اپنی ہی اخلاقیات کو اپنے معیار پر پرکھنے کے پیمانے بنائے ہوئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اخلاقیات کا مطلب کچھ اَور ہے کہ

[۱] اپنے بھائی کو بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی تکلیف نہ دینا کمزوری نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاق ہیں۔(دیکھیں تفہیم البخاری، جلد چہارم، حدیث ۲۳۵۱)

[۲] جھوٹ بولنا چالاکی اور بہادری نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مؤمن نہ تو جھوٹ بول سکتا ہے اور نہ ہی خیانت کر سکتا ہے''۔ (احمد)

[۳] اپنے وعدے کو پوری طرح نبھانا چاہیے۔قرآن حکیم میں ہے،''**یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ**''(المائدۃ ۵، آیت ۱) ترجمہ''اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو''۔

[۴] وقت کی پابندی کرنا مؤمن کا شیوہ ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ موتہ میں جانے والے فوج کے ساتھ جانے میں دیر کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ''اے عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم جنت سے پانچ سو [۵۰۰] سال دُور ہو گئے ہو''۔(جنگ موتہ کے حالات دیکھیں)

[۵] وقت پر اُدھا واپس کرنا اور اچھے طریقے سے واپس کرنا اچھے اخلاق کی نشانی ہے۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ قرض کیا ہوا تھا تو ایک دِن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرنے لگا کہ میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرا قرض اَدا نہیں کر دیتے۔ یہودی نے ساری رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روک رَکھا جب دِن چڑھا تو یہودی اسلام لے آیا۔اس نے کہا کہ میں نے تورات میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق یہ پڑھا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوگی۔ وہ نہ بدزبان ہوگا، نہ فحش گو اور نہ ہی بازاروں میں چلائے گا یعنی وہ اعلیٰ اخلاق کا مالک ہوگا۔ جب یہ نشانیاں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

اخلاق حمیدہ سے متاثر ہوکر اسلام لے آیا تو اس یہودی نے اسلام لانے کے بعد اپنا آدھا مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں چاہیں، خرچ فرمائیں۔ (بیہقی، دلائل نبوت)

[۶] عمر یا رُتبہ میں اپنے سے بڑوں کی عزت کرنا چھوٹوں پر لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے علماء کرام کی قدر نہ کرے، وہ ہماری اُمت میں سے نہیں ہے''۔ (احمد از فضائل تبلیغ مولانا محمد زکریا کاندھلوی)

[۷] بڑوں کا فرض ہے کہ چھوٹوں کو شفقت اور محبت سے پکاریں اور اپنے سلوک میں نرمی اختیار کریں۔

[۸] مستورات کے ساتھ خاص طور پر حیا کا خیال رَکھیں اور ان سے نرمی کا سلوک اور اچھا رویہ اختیار کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ ''مجھے دُنیا میں تین [۳] چیزیں پسند ہیں، [۱] ایک نماز [۲] خوشبو اور [۳] عورت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث شریف کے ذریعے اُمت کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ نماز مؤمن کیلئے چوٹی کا عمل ہے اور خوشبو نفاست اور صفائی کا مظہر ہے اور عورت سے مطلب یہ ہے کہ صنف نازک ہونے کی وجہ سے اس سے نرمی کا سلوک کیا جائے۔

حیا کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بنیادی بات بتا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝**'' (النور ۲۴، آیت ۳۰) ترجمہ ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رَکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔ یہ انکے حق میں زیادہ اچھی بات ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں''۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

حدیث۹: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ" فَالْاِمَامُ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ" وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ وَالْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ" عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ" وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ" اَلَا وَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ"۔(تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۴۸۵۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم سب (اپنی اپنی جگہ) نگہبان ہو۔ امام (صدر یا وزیر اعظم) (تمام ملک کا) نگہبان ہے۔ اس سے (تمام رعایا کی نگہبانی کے متعلق) پوچھا جائے گا۔ آدمی (گھر میں) اپنے اہل کا نگہبان ہے، اس سے (قیامت کے روز اپنے اہل کے متعلق) پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے، اس سے (نگہبانی کے متعلق) پوچھا جائے گا۔ غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے، اس سے (قیامت کے روز نگہبانی کے متعلق) پوچھا جائے گا۔ تم سب (اپنی اپنی جگہ) نگران ہو، تم سے (قیامت کے دِن) اس نگہبانی کی ادائیگی کے متعلق پوچھا جائے گا''۔

نوٹ: ؎ اس قافلۂ حجاز میں اک حسینؑ بھی نہیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو منظّم اور سیدھے راستہ پر رَکھنے کیلئے اس دُنیا میں امامت (لیڈرشپ) کا نظام متعارف کروایا ہے۔ امامت (لیڈرشپ) کے فرائض اور دائرہ اختیار بھی متعیّن کر دیے ہیں۔ یہ امامت (لیڈرشپ) ایک گھر سے شروع ہوتی ہے۔ پھر خاندان اور قبیلہ سے گزر کر ملکی اور بین الاقوامی سطح تک چلی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب امامت (نبوّت) عطا کی گئی تو تین [۳] سال تک اسکی خبر صرف اپنے گھر کے لوگوں تک محدود رَکھی گئی۔ پھر اپنے خاندان کو، پھر قبیلہ کو، پھر پوری مکہ مکرمہ کی بستی کو اور پھر مکہ مکرمہ سے باہر طائف اور مدینہ طیبہ تک دعوت پھیل گئی۔ پھر مدینہ طیبہ کے بعد یہ دعوت حجاز کے کونے کونے تک پہنچانے کا بندوبست کیا

گیا پھر حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں یہ دعوت بین الاقوامی بن گئی اور امام (خلیفہ) بین الاقوامی امام بن گیا۔

اس نظامِ امامت سے پتہ چلتا ہے کہ مرد کسی نہ کسی مقام اور زمانہ میں امامت کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ قیامت کے روز اس سے اس امامت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ آیا اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے اَدا کی یا خیانت سے (ادا کی)۔ پھر اسکے مطابق اسکو جزا یا سزا دی جائے گی۔

انسانی تاریخ میں قبائلی اور ریاستی امامت کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ قبائلی سردار یا ملکی حکمران جس طرز کی امامت (حکمرانی) کرتا تھا، اسکا نتیجہ ملکی ترقی یا تباہی کی صورت میں نکلتا تھا۔ قیامت میں اس سے ترقی یا تباہی کے متعلق سوال ہوگا۔ ایک طرف وہ ہوگا اور دوسری طرف اسکی قوم ہوگی۔ نہ حکمران کوئی شئے چھپا سکے گا اور نہ قوم۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی امامت (ڈیوٹی اور ذمّہ داری) کا اتنا شدید احساس تھا کہ ایک دفعہ فرمایا، ''اگر دریائے نیل کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو اس کے متعلق بھی قیامت میں (حضرت) عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے پوچھا جائے گا''۔ ایک حکمران یہ تھا جس کو یہ احساس تھا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایک طرف میں کھڑا ہوں گا اور میرے خلاف ایک جانور (کتا) گواہی دے رہا ہوگا۔

ایک ہمارے حکمران ہیں کہ احساسِ ذِمّہ داری کا کوئی شعور نہیں رَکھتے۔ عوام کے حقوق ایسے پامال کیے جا رہے ہیں کہ لگتا ہے کہ امام (حکمران) حقوق کے لفظ سے بالکل نا آشنا ہے اور اس سے بھی وہ بے خبر ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایک طرف وہ ہوگا اور دوسری طرف کروڑوں عوام ہوں گے۔

اگر ہمارے حکمرانوں نے آج ہمیں تنگ کیا ہے اور ہم پر ظلم کر رَہے ہیں اور ہمارے حقوق کی ادائیگی میں ہر طرح کی کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں تو قیامت کے روز وہ تنگ ہوں گے اور ہم پر کئے گئے ظلم کی سزا پائیں گے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔

ہمارے ہر دفتر کے اہلکار کا نگران (امام) کوئی نظر نہیں آتا۔ ہر دفتر میں سفارش اور رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ غریب آدمی سارا دِن مارا مارا دفاتر کے چکر لگاتا رہتا ہے اور شام کو خالی ہاتھ واپس لوٹ آتا ہے۔ قیامت کے روز یہ ایک طرف ہوگا اور ہمارے حکمران اور دفتری اہلکار اسکے مقابلہ میں جھوٹی صفائی پیش کررہے ہوں گے۔

ساٹھ [۶۰] سالوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ کوئی حکمران بھی ڈسپلن کو اہمیت نہیں دے رہا جو کہ عوام کے حقوق کی ادائیگی اور ملکی ترقی کیلئے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رَکھتا ہے۔ ہر دفتر میں افراتفری اور انتشار ہی انتشار نظر آتا ہے۔ اس بدانتظامی کی وجہ سے ہمارے ہاں اتنے مسائل پیدا ہو چکے ہیں کہ ہماری بقا خطرے میں پڑ چکی ہے۔ ان مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ نااہل سیاسی یا غیر سیاسی حکومت اور اسکی بیوروکریسی ہے۔ یہ مسئلہ اتنا گھمبیر ہو چکا ہے کہ ہم مسلسل دیکھ رہے ہیں کہ جو بھی حکومت آتی ہے، وہ پہلے سے بدتر ہوتی ہے اور وہ بیوروکریسی کو اچھی رہنمائی دینے کے بجائے غلط رہنمائی کرتی ہے۔ یہ ہر حکومت کے قول اور فعل سے بالکل واضح ہے کہ ایک بالکل اَن پڑھ شہری بھی اس بات کا اندازہ لگا لیتا ہے کہ مخلص اور انصاف پسند حکومت کون سی ہے اور ظالم اور منافق حکومت کون سی ہے؟ میرے ذاتی مشاہدہ میں کوئی حکومت ابھی تک نہیں آئی جو عوام کے حقوق کے ادا کرنے کیلئے مخلص اور انصاف پسند ہو۔ حکومت کی نا اَہلیت کا مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ اس کیلئے ایک تعلیمی انقلاب کی ضرورت ہے۔ اس وقت کوئی ایسا نظر تو آتا نہیں جو تعلیمی انقلاب لا سکے لیکن اللہ تعالیٰ کا نظام خفیہ طور پر کام کیا کرتا ہے۔ مجھے بہت اُمید ہے کہ عنقریب کوئی نہ کوئی شخص آگے آئے گا جسکو تعلیم عام کرنے کا شعور اور عوام کے حقوق ادا کرنے کا احساس شدّت سے ہوگا۔

ایسا شخص وہی ہوگا جو حقیقی مؤمن ہوگا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے جسکو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ''تم میں سے کوئی (حقیقی) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مؤمن بھائی کیلئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔ (سنن نسائی، جلد سوم، حدیث ۵۰۴۵) وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۱۰: عَنْ اللَّیْثُ حَدَّثَنِیْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِیْعَۃَ عَنْ عَبْدِالرَحْمٰنِ ابْنِ ھُرْمُزٍ سَمِعْتُ اَبَا ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مِثَلُ الْبَخِیْلِ وَالْمُنْفِقِ کَمَثَلِ رَجُلَیْنِ عَلَیْھِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِیْدٍ مِنْ لَّدُنْ ثُدِیِّھِمَا اِلٰی تَرَاقِیْھِمَا فَاَمَّا الْمُنْفِقُ فَلَا یُنْفِقُ شَیْئًا اِلَّا مَادَّتْ عَلٰی جِلْدِہٖ حَتّٰی تُجِنَّ بَنَانَہٗ وَتَعْفُوْ اَثَرَہٗ وَاَمَّا الْبَخِیْلُ فَلَا یُرِیْدُ یُنْفِقُ اِلَّا لَزِمَتْ کُلُّ حَلْقَۃٍ مَوْضِعَھَا فَھُوَ یُوَسِّعُھَا وَلَا تَتَّسِعُ وَیُشِیْرُ بِاِصْبَعِہٖ اِلٰی حَلْقِہٖ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۴۹۶۱)

ترجمہ : حضرت لیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جعفر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ذریعہ حضرت عبدالرحمٰن بن ہرمز رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمائی۔ انہوں نے فرمایا، میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''بخیل اور مال خرچ کرنے والے کی مثال دو [۲] آدمیوں کی طرح ہے۔ ایک شخص ہے جو لوہے کی زِرہ پہنے ہوئے ہے جو چھاتیوں سے ہنسلیوں تک ہے۔ خرچ کرنے والا خرچ نہیں کرتا مگر زِرہ اس کے جسم پر پھیلتی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو بھی ڈھانپ لیتی ہے اور دُشمن کے وار کے اَثر سے حفاظت کرتی ہے۔

دوسرا وہ ہے جو بخل کی وجہ سے خرچ کرنے کا ارادہ نہیں رَکھتا۔ اسکی زِرہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ پر چپکا رہتا ہے۔ وہ اسکو بڑھانا چاہتا ہے لیکن وہ بڑھنے نہیں پاتا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلی شریف سے حلقہ بنا کر دِکھایا۔

نوٹ: بخیل کے خرچ کرنے میں اور سخی کے خرچ کرنے میں ایک واضح فرق نظر آتا ہے۔ سخی جیسے جیسے خرچ کرتا ہے، اسکا دِل وسیع ہوتا جاتا ہے اور وہ اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں اَور زیادہ خرچ کرنا چاہتا ہے اور خرچ کرنے کے بعد اسکو دِلی مسرت حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ جب بھی خرچ کرتا ہے، اسکے سارے جسم میں ایک خوشی کی لہر

محسوس ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ خوشی وہ اپنی انگلیوں کے پوروں تک محسوس کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے سخی کو اس دُنیا میں بھی اس کی سخاوت کی برکات سے نوازا جاتا ہے اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں شمار ہوگا اور جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوگا کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بیج بویا، اس میں سے سات [۷] بالیں (خوشے) نکلیں اور ہر بال (خوشہ) میں سو [۱۰۰] سو [۱۰۰] دانے ہوئے۔ ''مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝'' (البقرہ۲، آیت ۲۶۱) ترجمہ ''جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کے مال کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات [۷] بالیں (خوشے) اُگیں اور ہر بال (خوشہ) کے اندر سو [۱۰۰] سو [۱۰۰] دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، زیادہ عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے''۔ تو اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں بھی اس کے رزق میں سات سو [۷۰۰] گنا یا اس سے بھی زیادہ تک برکت عطا فرما سکتا ہے اور آخرت میں بھی سات سو [۷۰۰] گنا یا اس سے بھی زیادہ تک اس کو اَجر ملنے کی اُمید ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب بندہ حلال مال میں سے کوئی چیز صدقہ کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ کر قبول فرما لیتا ہے اور اسی طرح اسکی دیکھ بھال فرماتا ہے جیسے کوئی شخص اپنی بکری کے بچے کی دیکھ بھال کرتا ہے چنانچہ اگر کسی نے ایک لقمہ بھی صدقہ کیا ہو تو وہ بڑھتے بڑھتے پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے، اس لیے صدقہ کیا کرو'' (مسند احمد ۷۶۲۲)

اسکے برعکس بخیل جب خرچ کرتا ہے تو اسکا دِل تنگ ہوتا ہے اور جیسے جیسے وہ خرچ کرتا جاتا ہے، اسکا دِل نہیں چاہتا کہ وہ خرچ کرے اور وہ پہلے خرچ کیے ہوئے پر بھی قدرے افسوس کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس نے اپنا مال ضائع کر دیا حتیٰ کہ اسکا دِل اتنا تنگ ہو جاتا ہے کہ جہاں اس نے بہت ہی ضروری خرچ کرنا ہوتا ہے، دُنیا کے لحاظ سے یا آخرت کے لحاظ سے وہاں بھی وہ خرچ کرنا نہیں چاہتا۔ اسکے نقصانات اسکو اس دُنیا میں

بھی پیش آتے ہیں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے گا۔ جو مال اللہ تعالیٰ نے اسکو دِیا تھا، اگر وہ دِل کی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا تو آخرت میں اسکے انفاق کا اَجر اللہ تعالیٰ سات سو [۷۰۰] گنا تک بھی بڑھا سکتا تھا لیکن اپنے بخل کی وجہ سے چونکہ وہ خرچ ہی نہیں کر سکا، اسلئے وہ اس سارے اَجر سے محروم ہوگیا۔

مجھے بچپن کا ایک واقعہ یاد ہے کہ ہمارے دیہات میں ایک بیل کو باؤلا کتا کاٹ گیا۔ لوگوں نے اس زمیندار کو کہا کہ اسکو ہسپتال لے جا کر ٹیکے لگواؤ۔ وہ گیا اور اسکے پاس سو [۱۰۰] روپے کا نوٹ تھا (یہ واقعہ ۱۹۵۰ء کا ہے)۔ ڈاکٹر نے کہا کہ ٹیکے ہمارے پاس موجود ہیں لیکن اسکا خرچ دَس [۱۰] روپے ہے تو وہ زمیندار اپنے بیل کو واپس لے آیا اور اپنے گھر والوں کو کہا کہ ٹیکے بہت مہنگے ملتے ہیں۔ پھر یہ بیل سات [۷] دِن کے بعد بیمار ہوگیا اور اسکو بندوق سے مار دیا گیا۔ اس بیل کی اُس وقت قیمت [۵۰۰] روپے تھی۔ دیہات کے باقی سب لوگوں نے اس کنجوس کو بہت بُرا بھلا کہا لیکن بے فائدہ۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰـھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ط بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ط سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ط وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ'' ○ ''(آلِ عمران ۳، آیت ۱۸۰) ترجمہ ''اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انکو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کیلئے اچھی ہوگی بلکہ یہ بات ان کیلئے بہت ہی بُری ہے۔ وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنا دیے جائیں گے اسکا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا اور اخیر میں آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ ہی کا رَہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رَکھتے ہیں''۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

○.....○.....○

حدیث۱۱: عَنْ سَهْلٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۴۹۶۶)

ترجمہ: حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے جنت میں اس طرح ہوں گے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت اپنی انگشت شہادت (انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی) اور درمیانی انگلی ملا کر جن میں کچھ فاصلہ تھا، یہ ارشاد فرمایا۔

نوٹ: اِسلام سے پہلے مکہ مکرمہ میں یتیم بچوں کی بہت بُری حالت تھی۔ انکا پُرسانِ حال کوئی نہیں ہوتا تھا۔ انکے قریبی رشتہ دار جنکا فطرۃً یہ فرض بنتا تھا کہ وہ ایک لاوارث بچے کی دیکھ بھال کریں، وہ اسکی وراثت کا مال تک کھا جاتے تھے۔ قرآن حکیم میں بہت جگہ یتیموں کے ساتھ بدسلوکی کا ذِکر کیا گیا ہے اور قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں انکے ساتھ حسنِ سلوک پر عظیم اَجر کی بشارت دی گئی ہے۔

سورۃ الماعون جو کہ مکی سورت ہے، وہ شروع ہی اس طرح ہوتی ہے کہ تم لوگ یتیم سے بہت بُرا سلوک کرتے ہو اور تم اس بات کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہو کہ آخرت بھی آنی ہے اور تمہیں اسکے بارے میں جواب دینا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ○ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ○**'' (الماعون ۱۰۷، آیت ۱-۲) ترجمہ ''کیا تم نے دیکھا اُس شخص کو جو روزِ جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے۔ (اسی لیے) وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے'' (یعنی بُرا سلوک کرنے سے نہیں ڈرتا)۔

اگر ہمیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ آخرت میں ہم سے حقوق العباد کے بارے میں پوچھا جائے گا تو کمزور بندوں کے بہت سے حقوق جو ہم زبردستی غصب کر لیتے ہیں، اَدا کرنے کا خیال کریں گے۔ اِسلام سے پہلے یتیموں سے جو سلوک ہوتا تھا، اس کا ایک عکس جو ایک واقعہ سے ظاہر ہے ہمیں یہ ملتا ہے کہ ابوجہل ایک یتیم بچے کی دیکھ بھال کا اس بچے کے والد کی طرف سے فوت ہونے سے پہلے ذِمّہ دار (وصی) بنا دیا گیا تھا۔ وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اس کے پاس آیا کہ اسکے بدن پر کپڑے تک نہ تھے اور اس نے التجا کی

کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دے دے مگر اس ظالم نے اس کی طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہو کر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے از راہِ شرارت اس بچے سے کہا، ''(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جا کر شکایت کر، وہ ابوجہل سے کہہ کر تجھے تیرا مال دلوا دیں گے''۔ بچہ بے چارہ ناواقف تھا کہ ابوجہل کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تعلق ہے اور یہ بد بخت اسے کس غرض کے لیے مشورہ دے رہے ہیں۔ وہ سیدھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچا اور اپنا حال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دُشمن ابوجہل کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر اس نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا استقبال کیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس بچے کا حق اسے دے دو'' تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لا کر اسے دے دیا۔ (تفہیم القرآن، سورۃ الماعون، نوٹ نمبر ۵)

اس طرح کی صورتحال تھی یتیموں سے سلوک کی اس وقت کے تمام عرب میں بشمولِ مدینہ طیبہ۔ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے پھر یہی معاشرہ ایسے بدلا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور سے ہر بچے کا جب سے وہ پیدا ہوتا تھا خواہ وہ یتیم ہو یا نہ ہو، حکومت کی طرف سے روزینہ مقرر کر دیا جاتا تھا اور یہ نظام اِسلامی دُنیا میں صدیوں تک چلتا رَہا۔

جہاں تک وراثت کا تعلق تھا، اس میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے دِن سے ہی اپنے خطبے میں فرما دیا کہ کوئی اپنے آپکو اتنا زبردست نہ سمجھے کہ وہ کسی پر ظلم کر سکتا ہے اور کوئی کمزور یہ نہ سمجھے کہ اسکا کوئی مددگار نہیں ہے۔ قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے عدل کا وہ نظام قائم ہوا کہ کسی میں خواہ وہ کتنا ہی اپنے آپکو زبردست سمجھتا تھا، یتیم کی وراثت اور اس سے بُرا سلوک کرنے کی جرأت پیدا نہیں ہوتی تھی۔

افسوس کا مقام ہے کہ ہم پھر اُسی حالت پر لوٹ آئے ہیں جو حالت اِسلام سے پہلے کی تھی۔ بے شمار گھرانے آپکو ایسے ملیں گے جو یتیم کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں، اس سے بُرا سلوک کرتے ہیں، اسکی تعلیم و تربیت سے بالکل لاپرواہ ہیں اور نظامِ عدل اس درجہ بے

کار ہو چکا ہے کہ یتیم کا پُرسانِ حال کوئی نظر نہیں آتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مظلوم کی بددُعا سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ اور مظلوم کی بددُعا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے''۔ (مشکوٰۃ، باب کتاب الزکوٰۃ)

اگر ہمارے معاشرے میں بے شمار کمزور مظلوم بَس رہے ہیں اور انکی دادرسی کہیں نہیں ہو رہی تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے مسائل حل کرنے میں کیسے آ سکتی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوجہل کے پاس اسلئے گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تمام انسانیت کیلئے ایک روحانی والد کی حیثیت رَکھتا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام بچوں کا روزانہ وظیفہ اس لئے مقرر کر دیا کہ وہ بحیثیت ایک حکمران کے اُمّت کیلئے ایک والد کی حیثیت رَکھتے تھے۔ حکمرانی کا طرزِ انداز یہی ہے جسکو صحیح کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے ہر شہری کے حالات کا جائزہ لے اور ضرورت کے مطابق اسکی مدد کرے۔ ہر شہری کے متعلق باخبر رہنا اور اسکی مدد کے وسائل پیدا کرنا ایک وسیع نیٹ ورک (Net Work) کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ یہ وسیع نظام وہی بنا سکتا ہے جس لیڈر (Leader) کے دِل میں والد کا دِل ہو اور جسکے دماغ میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور جسکی انتظامی صلاحیت کی بنیاد قرآن حکیم اور احادیث شریف ہو۔

آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ہماری پوری انتظامیہ اور سیاسی یا غیر سیاسی حکمران بھیڑیے کا دِل رَکھتے ہیں، ابوجہل کا دماغ رَکھتے ہیں اور نفس انکا رَبّ بنا ہوا ہے

قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات شریفہ ہمارے ''شرفاء'' کی بہترین تصویر کھینچتی ہیں۔ آپ اسکو پڑھیں اور اس پر غور کریں۔ ''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○'' (الاعراف ۷، آیت ۱۷۵-۱۷۶) ترجمہ ''اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انکو اس شخص کا حال سنائیے جسکو ہم نے اپنی آیات کا علم دیا لیکن وہ ان سے نکل گیا پھر شیطان اسکے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہ ہو گیا۔ اگر ہم چاہتے تو اسکو ان آیات کی بدولت بلند مرتبہ عطا کرتے لیکن وہ تو

خاک کی طرف مائل ہوگیا (یعنی پستی کی طرف) اور اپنے نفس کی پیروی کرنے لگا پھر اسکی حالت کتّے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اسکو مارے تب بھی وہ زبان لٹکائے (زبان لٹکانا لالچ کی نشانی ہے) یا نہ مارے تب بھی زبان لٹکائے رَہے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو ہماری آیات مبارکہ (نہ وہ ہمارے احکامات کو مانتے ہیں، وہ تو ہوئے کافر اور جو ماننے والے ہیں، وہ نہ اس پر عمل کرتے ہیں) کو جھٹلاتے ہیں۔ پس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس حال کو بیان کر دیجئے، شاید وہ غور کریں''۔

اے میرے بھائی! تم بھی اس پر غور کرو، میں بھی اس پر غور کرتا ہوں۔ ہماری انفرادی اور قومی حالت کیا اس سے مختلف ہے؟ اگر یہ مختلف ہے تو کیا ہمیں اپنے آپکو درست نہیں کرنا چاہیے؟ اگر ہم اپنے آپکو درست نہیں کرنا چاہتے تو کیا ہم میں اتنی ہمت ہے کہ ہم جہنم کی آگ برداشت کرسکیں گے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۱۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ اَنْفِقْ یَاابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْکَ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۵۰۰۵)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، 'اے ابن آدم! تو لوگوں پر خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا''۔

نوٹ: یہ ایک آفاقی صداقت (Universal Truth) **ہے کہ انسان کا جیسا رویّہ دوسرے انسانوں کے ساتھ ہوگا، اللہ تعالیٰ کا برتاؤ بھی ویسا ہی اس انسان کے ساتھ ہوگا۔**

جو شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بھلائی کا سوچتا ہے اور انکی بھلائی میں عملی طور پر کوشش کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس شخص کیلئے نیکی کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں اور اسکے مددگار بن جاتے ہیں۔

لوگوں پر خرچ کرنے کے بارے میں اس بات کا خیال رَکھا جائے کہ مال حلال طریقے سے کمایا ہو اور لوگوں پر خرچ کرنے میں رِیا اور اسراف سے بچا جائے۔ **''وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَایُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَابِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَمَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ○''** (النساء۴، آیت ۳۸) ترجمہ ''اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کو دِکھانے کیلئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رَکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر (انکا ساتھی شیطان بن جاتا ہے) جسکا ساتھی شیطان بنا، سو وہ بُرا ساتھی بنا''۔

اگر اللہ تعالیٰ اور آخرت پر پورا یقین ہو تو پھر انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اَور کیلئے خرچ کرنے سے پرہیز کرے گا۔ چونکہ ہمارا ایمان بہت ہی کمزور درجے کا ہے، اس لئے ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ لوگوں کے دِکھاوے کی خاطر جو بھی خرچ کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر خلوص سے خرچ کیے ہوئے ایک [۱] پیسے کے بدلے اللہ تعالیٰ سات سو [۷۰۰] پیسے کا اَجر دے گا، ''**مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ**

قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ط .....'' (البقرہ۲، آیت ۲۴۵)
ترجمہ ''کون ہے جو اللہ جل جلالہٗ کو بہترین قرضہ (یعنی حلال کمائی، خلوصِ نیّت، بغیر ریا اور سود کے) دے تا کہ اللہ جل شانہٗ اسکو بڑھا چڑھا کر ادا فرمائیں (یعنی اس دُنیا میں بھی اور قیامت کے دِن بھی)'' (دیکھیں سورۃ البقرہ۲، آیت ۲۶۱)

اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ اللہ تعالیٰ کی خاطر خلوص سے بندوں پر خرچ کر رہے ہیں، آپ دراَصل اللہ تعالیٰ کو قرض دے رہے ہیں۔ اگر یہ قرض آپ اللہ تعالیٰ کو بہترین طریقے سے دیں گے یعنی حلال کمائی سے، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور ممکن ہو تو لوگوں سے چھپا کر تو اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے اس دُنیا میں بھی آپکا رزق وسیع فرمادے گا اور آخرت میں بھی اسکا اَجر بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو محبوب رَکھتا ہے جو صدقہ اس طرح دیتا ہے کہ اسکے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا کہ دائیں ہاتھ نے صدقہ کیا دیا ہے۔ یہ شخص قیامت کے دِن ان سات [۷] اشخاص میں سے ایک ہوگا جنہیں اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے عرش کے علاوہ کہیں سایہ نہ ہو گا۔ (تفہیم البخاری، جلد دوم، حدیث ۱۳۴۲)

معیشت کی ترقی اس وقت ہوتی ہے جب دولت کو خرچ کیا جائے۔ جب اسکو جمع کر کے رَکھ لیا جائے۔ کرنسی کی صورت میں یا سونا چاندی کی صورت میں تو پھر معاشی ترقی رُک جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں جو زیورات بنتے ہیں، وہ بہترین سونے چاندی کے ہوتے ہیں اور وہ اکثر اوقات بنک کے لاکرز میں پڑے رہتے ہیں۔ اگر یہ سونا ہم اپنے کاروبار میں، ایک نظام کے تحت استعمال کریں تو مجھے اُمید ہے کہ ہمیں باہر سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی لیکن افسوس! صد افسوس! کہ ہمارے اقتدار کے ایوانوں میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، وہ معیشت کو تباہ کرنے، ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے، انصاف کے بدلے ظلم کو رائج کرنے، قرآن کریم، ہدایاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، کتابِ آئین کی سطور کو چھوڑ کر اپنی مرضی کے مفروضے بنا کر ملک چلایا جا رہا ہے۔ اس طرح کی حکمرانی ایک ادارے کو نہیں بلکہ ملک کے تمام اداروں کو تباہی کے آخری کنارے پر لے آئی ہے۔ اس وقت عوام الناس چیخ و پکار تو بہت کرتے ہیں لیکن انکی چیخ و پکار اور

احتجاج ان کانوں، آنکھوں اور دِلوں پر پڑ رہی ہے جسکے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے،
''وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ سَآءَ مَثَلًا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ز صلے لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○''(الاعراف ۷، آیات ۱۷۵ تا ۱۷۹) ترجمہ ''اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انکو اس شخص کا حال سنایئے جسکو ہم نے اپنی آیاتِ مبارکہ (یعنی اپنی نصیحتیں، احکامات اور طرزِ زندگی کے متعلق ہدایات) کا علم دیا لیکن اس نے ان پر عمل کرنے سے گریز کیا پھر شیطان اسکے پیچھے پڑ گیا اور وہ گمراہ ہوتا گیا۔ اگر ہم چاہتے تو ان آیات مبارکہ پر عمل کرنے کی بدولت ہم اسکو بلندی عطا کرتے مگر (ہماری آیاتِ مبارکہ پر عمل کرنے کے برعکس) وہ تو پستی کی طرف جھک گیا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گیا پھر (دُنیا کے لالچ میں) اسکی حالت کتّے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اسکو مارے تب بھی وہ لپچائی ہوئی زبان لٹکائے اور اگر تو نہ مارے تب بھی اسکی لپچائی ہوئی زبان لٹکتی رہے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو ہماری ہدایات (آیاتِ مبارکہ) کو جھٹلاتے ہیں (اور ان پر عمل نہیں کرتے)۔ پس آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ غور کریں۔ بُری مثال ہے یہ ان لوگوں کیلئے جو ہماری آیاتِ مبارکہ (ہدایات، نصیحتیں وغیرہ وغیرہ) کو نہیں مانتے، وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ جسکو اللہ رَبّ العزت ہدایت عطا فرمائیں، وہی ہدایت پاتا ہے اور جسکو اللہ رَبّ العزت گمراہ کرے، وہ خسارے میں رہتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسکو ہدایت عطا فرماتا ہے جو ہماری ہدایت کو مانتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ جو ہماری باتوں کو مانتے ہی نہیں لہٰذا ان پر

عمل نہیں کرتے، انکو ہدایت کیسے مل سکتی ہے۔ ہدایت نہ ملنے سے وہ دنیا میں بھی خسارے میں رہتے ہیں اور آخرت میں بھی انکا ٹھکانہ جہنم ہے) ہم نے جہنم کو پیدا کیا جس میں کثیر تعداد جنوں اور انسانوں کی جائے گی۔ وہ دِل رَکھتے ہیں لیکن وہ غور نہیں کرتے، وہ آنکھیں رَکھتے ہیں لیکن وہ غور سے دیکھتے نہیں۔ وہ کان رَکھتے ہیں لیکن دھیان سے سنتے نہیں۔ انکی پوری شخصیت جانوروں جیسی ہے بلکہ ان سے بھی بدتر۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں''۔

یہ آیاتِ مبارکہ ہمارے معاشرے خاص طور پر ہمارے حکمرانوں اور علماء کے رویوں کی پوری طرح عکاسی کرتی ہیں۔ اگر ہم نے دُنیا اور دِین کے خسارے سے باہر نکلنا ہے تو پھر ہر صورت ہمیں قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنا ہوگا ورنہ ہمارے لیے ہدایت ناممکنات میں سے ہے۔

قرآن حکیم کی پہلی آیت مبارکہ میں ہے، ''الٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ ج صلے فِیْهِ ج هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ○''(البقرہ۲، آیت۱-۲-۳)

ترجمہ ''الف، لام، میم۔ یہ وہ کتاب ہے (یعنی قرآن کریم) جس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی ہے اور یہ ہدایت صرف متقیوں کو ہی دیتی ہے۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انکو دیا ہے، اس میں سے مسلسل اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں''۔ یہ ہیں وہ لوگ جنکے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہی کامیاب ہونے والے ہیں

قرآن حکیم میں نوّے [۹۰] مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ نے جہاں نماز کی ہدایت فرمائی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی نصیحت ضرور فرمائی ہے۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

○.....○.....○

حدیث ۱۳: عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ فَاطِمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ تَسْأَلُہٗ خَادِمًا فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکِ مَاھُوَ خَیْرٌ لَّکِ مِنْہُ تُسَبِّحِیْنَ اللّٰہَ عِنْدَ مَنَامِکِ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ وَتَحْمَدِیْنَ اللّٰہَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِیْنَ وَتُکَبِّرِیْنَ اللّٰہَ اَرْبَعًا وَّثَلٰثِیْنَ ثُمَّ قَالَ سُفْیٰنُ اِحْدٰھُنَّ اَرْبَعٌ وَثَلٰثُوْنَ فَمَا تَرَکْتُھَا بَعْدُ قِیْلَ وَلَا لَیْلَۃَ صِفِّیْنٍ قَالَ وَلَا لَیْلَۃَ صِفِّیْنٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۵۰۱۵)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ سیّدہ فاطمۃ سلام اللہ علیہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئیں، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خادم طلب کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''کیا میں تمہارے لیے اس سے بہتر کی تمہیں خبر نہ دوں؟ سونے کے وقت تینتیس [۳۳] بار ''سبحان اللہ'' کہو، تینتیس [۳۳] بار ''الحمد للہ'' کہو اور چونتیس [۳۴] بار ''اللہ اکبر'' کہو پھر حضرت سفیان نے فرمایا [راوی الحدیث] ''ان میں سے ہر ایک چونتیس [۳۴] بار''۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے اس ارشاد کے بعد کبھی انکو نہیں چھوڑا''۔ ان سے کہا گیا، ''کیا جنگ صفّین کی رات بھی نہیں چھوڑا؟'' فرمایا، ''صفّین کی رات بھی نہیں چھوڑا''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا، ''بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ○ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ○'' (الاعلیٰ ۸۷، آیت ۱۶-۱۷) ترجمہ ''اصل یہ ہے کہ تم مقدم دُنیوی زندگی کو رکھتے ہو حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے'' تو اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ایک طرح سے آخرت کو ترجیح دینے کی یاد دَہانی فرمائی ہے کیونکہ حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی انسان تھے۔ وہ بھی دُنیا کی جائز سہولتوں سے قدرتی طور پر فائدہ اُٹھانے کے احساسات رکھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

یہاں فرمانا یہ تھا کہ خادم چندروز کیلئے تمہیں فائدہ دے گا لیکن میں تمہیں ایک ایسی چیز بتاتا ہوں جسکا فائدہ نہ ختم ہونے والا ہوگا یعنی جنت میں اسکی وجہ سے تمہیں جو اَجر ملے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۱۴: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ طَعَامُ الْاِثْنَیْنِ کَافِیُ الثَّلٰثَةِ وَطَعَامُ الثَّلٰثَةِ کَافِی الْاَرْبَعَةِ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۵۰۴۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''دو [۲] آدمیوں کا کھانا تین [۳] کیلئے کافی ہے اور تین [۳] کا کھانا چار [۴] کیلئے کافی ہے''۔

نوٹ: اس میں اشارہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، مؤمنین اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی برکت ہوگی۔ زیادہ لوگ تھوڑے کھانے سے سیر ہو جائیں گے۔

اللہ رَبّ العزت اجتماعیت کو پسند فرماتا ہے۔ اس میں آپس میں محبت اور اتحاد کی راہ نکلتی ہے۔

ایک اکیلا ہے، دو دو ہیں اور تین جماعت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ جماعت کے ساتھ ہوتا ہے'' تو جب اللہ تعالیٰ جماعت کے ساتھ ہے تو پھر اس میں کیا شک ہے کہ چند آدمیوں کا کھانا زیادہ لوگوں کیلئے کافی ہو جائے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اکثر اوقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے تھے یعنی وہ ایک جماعت کی صورت میں رہتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ رَہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر کھڑے ہو کر فرمایا، میں نے جب بھی سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی سنا، میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہاں گئے، میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے یہ کام کیا وغیرہ وغیرہ

جماعت سے اتحاد ہے اور اتحاد ایک بڑی قوت ہے اور جماعت کے ساتھ اللہ رَبّ العزت ہوتا ہے تو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوگا، سب سے بڑی قوت وہی ہوگی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا** ص''

(آلِ عمران ۳، آیت ۱۰۳) ترجمہ ''تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور کہیں فرقہ فرقہ نہ بن جاؤ''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی فرقہ بندی سے متنبہ فرمایا تھا کیونکہ فرقہ پرستی سے ایک جماعت کے کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رفاقت اُٹھ جاتی ہے۔

جب ملّتِ اِسلامیہ متحد تھی تو کفار بُری طرح دَبے ہوئے تھے۔ جب سے ملّتِ اِسلامیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بٹ گئی ہے، کفار ایک ایک کر کے اِسلامی ملکوں کو ظلم و تعدی اور تمام بین الاقوامی اصولوں کے خلاف اور خود یو این او کی سیکورٹی کونسل کی قراردادوں کے خلاف چڑھائی کرتے جا رہے ہیں اور کوئی مسلمان ملک دوسرے مسلمان ملک کی مدد کیلئے آگے نہیں آتا۔ ہم بھول چکے ہیں کہ تمام مسلم ممالک ایک اُمّت ہیں۔ کیا آپکو یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں اور کئی صدیوں تک مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف کلچر رَکھنے والے مسلمان ممالک سب اپنے آپکو ایک ہی اُمّت سمجھتے تھے اور ان سب کا خلیفہ ایک ہی ہوتا تھا۔ ہندوستان میں مسلمان حکمران خاص طور پر مغلیہ خاندان سے تعلق رَکھنے والے بادشاہ خلیفہ کو اطاعت کی یقین دہانی کرانے کیلئے سلطانِ ترکی کو اپنے قاصد بھیجتے تھے۔ پھر ایک دَور آیا جس میں لارنس آف عریبیہ نے ایک بہت ہی گھناؤنا کھیل کھیلا اور مسلمان ممالک میں خاص طور پر عربوں میں زبان کی بنیاد پر سلطنت ترکی سے علیحدہ ہونے کی بنیاد ڈالی۔ جنگ عظیم اوّل کے بعد تمام عرب اور غیر عرب مسلمان ممالک ترکی کی خلافت سے علیحدہ ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے میں قومیت کو نہیں بلکہ ایمان کو فوقیت دی جاتی تھی اور ایمان کی بنا پر ملّت بنی تھی۔ آپکو اچھی طرح یاد ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم سے، حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ سے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارس سے سب ایک ہی اُمّت کے فرد تھے۔ وہ اپنے اپنے جغرافیائی وطن کو بھول کر ایک بین الاقوامی ملّت یعنی ملّت اسلامیہ میں سو فیصدی برابری کے اصول پر شامل تھے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا، قرآن کریم اتحاد اور تفرقہ کے متعلق یوں فرماتا ہے،

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص''(آلِ عمران۳، آیت۱۰۳) ترجمہ''اوراللہ تعالیٰ کی رسّی کوسب مل کرمضبوط تھامے رہواور باہم نااتفاقی نہ کرو''۔ یہ رسّی کیا ہے؟ یہ رسّی ایمان باللہ ہے۔ جتنا مضبوط ہرفرداس رسّی کوتھامے گا، اتنا ہی مضبوط وہ ملّت اسلامیہ کا فرد بن جائے گا۔ جب ایمان کی رسّی ہر ہاتھ میں مضبوط ہوگی تو دُشمن اس رسّی کوکہیں سے بھی کمزورنہیں کرسکے گا لیکن ہم نے اپنے ایمان کو خودکمزورکیا ہوا ہے کہ ایمان کو پس پشت ڈال کر دُنیا کے لالچ میں ہم بلندی سے زمین پرآ گرے ہیں۔اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ جوگر جاتا ہے تو دوسرے لوگ پھراس کو روندتے ہیں۔آج کل ہم روندے جارہے ہیں۔

اس صورتحال سے نکلنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے ایمان کی فکر کریں اوراسکومضبوط سے مضبوط تر کرنے کیلئے قرآن کریم، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم اسکی تمام وسعتوں کے ساتھ حاصل کریں اوراس پر جم کرعمل کریں اوراپنی نیّت کو حد درجہ پُرخلوص رَکھیں تو معاشی ترقی بےانتہا ہوگی، سائنسی ترقی کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکے گا، دفاع میں ہم مضبوط ترین بن جائیں گے، خلائی سفر میں بھی ہم پیچھے نہیں رہیں گے کیونکہ اگرقرآن کریم، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کواوران کی وسعتوں کو سمجھا جائے توسب علوم کی طرف رہنمائی ملتی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم انکے ظاہری الفاظ پرنگاہ دوڑانے کے بعدغوروفکرنہیں کرتے، انکا پیغام نہیں سمجھتے اوران سے صحیح رہنمائی نہیں لیتے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند مذہبی رسومات اَدا کرکے ہم سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم نے مؤمن ہونے کا حق ادا کردیا ہے۔اب باقی ہوائی جہاز بنائے توانگریز بنائے، ریلوے بنائے توانگریز بنائے، بسیں بنائے توانگریز بنائے اورکمپوٹر بنائے توانگریز بنائے، یہ کام ہمارے نہیں ہیں، یہ تو دُنیاوی کام ہیں۔ہمیں نماز سے فرصت نہیں، زکوٰۃ دینے کو ہمارے پاس پیسہ نہیں، کسی غریب کی خدمت کرنے کو ہمارے پاس وقت نہیں اورسائنس کی لیباٹریوں میں کام کرنا تو دنیاوی کام ہے، اس سے ہمیں کیا فائدہ ملے گا؟ کیسا جاہلانہ رویّہ ہم نے اپنا رَکھا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرنے کے بعدفرماتا ہے کہ ہم اس مثال اورقرآن حکیم کے ذریعے سے بعض (افراداورقوموں) کو

گمراہ کرتے ہیں اور بعض کو ہدایت دیتے ہیں اور گمراہ ہم انہی کو کرتے ہیں جو خود گمراہی (فاسقین) کے کام کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ہم قرآن کریم کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور ہم ظاہریت پر چند رسومات اَدا کر کے اپنے زعم میں سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے اب جنت خرید لی، باقی کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا آپ نے قرآن کریم میں یہ نہیں پڑھا، ''**اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝**'' (محمد ۴۷، آیت ۲۴) ترجمہ ''کیا یہ قرآن حکیم میں غور نہیں کرتے؟ (یا یہ کہ) کیا ان کے دِلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟''۔

ایک اَور جگہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''(**وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ**).....**وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا ۝**'' (الفرقان ۲۵، آیت ۷۳) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کے بندے وہ ہیں، جب اللہ تعالیٰ کی آیات مبارکہ انکے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے'' بلکہ وہ ان آیات مبارکہ پر خوب غور و فکر کرتے ہیں تا کہ انکو صحیح صحیح رہنمائی ملے۔

یہ شاید ۲۰۰۴ء کا واقعہ ہے کہ میں مانچسٹر سے لاہور آ رہا تھا۔ ہوائی جہاز میں میرے ساتھ ایک باریش نوجوان گلاسگو سے لاہور کا سفر کر رہا تھا۔ میں نے سفر کے دوران اس سے پوچھا کہ آپکی رہائش پاکستان میں ہے یا انگلینڈ میں؟ تو کہنے لگا کہ میں گلاسگو میں اپنا کاروبار کرتا ہوں اور وہاں ہی میری رہائش ہے۔ میں نے اسکو کہا کہ یہاں انگلینڈ میں تو ہر قسم کی تعلیم کے بہت سے مواقع ہیں، آپ نے شاید عربی تو سیکھ ہی لی ہوگی؟ تو وہ کہنے لگا کہ عربی سیکھنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیوں؟ کیا آپ قرآن حکیم نہیں پڑھتے؟ اگر پڑھتے ہیں تو اسکو کیسے سمجھتے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ سمجھنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے۔ جو ہمارے امام ہمیں بتا گئے ہیں، وہ ہمارے لیے ضرورت سے زیادہ کافی ہو گیا ہے۔ ہم انکے مرتبے کو تو نہیں پہنچ سکتے لہٰذا خود غور کریں گے تو غلطی کھائیں گے۔ اسکی یہ بات سن کر میں نے خاموشی اختیار کر لی اور دِل ہی دِل میں سوچتا رہا کہ ہم نے قرآن حکیم کو صرف پڑھنے کیلئے رَکھا ہوا ہے، اس پر غور کرنا ان لوگوں کا کام تھا جو پہلے گزر چکے ہیں پھر مجھے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ شعر بھی یاد آ گیا اور اس پر مزید افسوس ہوا۔

؎ مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں انکو یورپ میں تو دِل ہوتا ہے سی پارہ

انگلینڈ (England) کے جنوب میں ایک شہر ایگزیٹر (Exeter) ہے۔ ایگزیٹر (Exeter) کی پبلک لائبریری میں مجھے ۲۰۰۱ء میں جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے ایک سائنس کی کتاب اُٹھائی جسکا عنوان تھا، ''قدیم اور جدید سائنس دان'' (Anciant and Modern Sceintists)۔ یہ ایک انگریز کی لکھی ہوئی ہے اور میرا شوق ہوا کہ میں اس میں پرانے اور نئے مسلمان سائنس دانوں کے متعلق کچھ معلومات حاصل کروں۔ اِبن سینا جو طب میں اپنے زمانے کے مشہور ترین سائنس دان تھے، انکے متعلق لکھا ہوا تھا کہ انکی ٹیکسٹ بُک آف میڈیسن (Text Book of Medicine) یورپ کے میڈیکل کالجوں میں مسلسل چھ سو [۶۰۰] سال تک ایک سٹینڈرڈ (Standard) کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی رہی۔

یہ ہیں ہمارے آباء واجداد کے کارنامے جب وہ اپنے اپنے شعبوں میں غور وفکر کرتے تھے۔ جب سے ہم نے غور وفکر کرنا چھوڑ دیا ہے جو کہ بنی نوع انسان کی اعلیٰ ترین صفات میں سے ایک صفت ہے، اس وقت سے ہم پستی سے پستی کی طرف جارہے ہیں۔ جب تک ہم اپنے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لائیں گے، ہم زمانے میں ذلیل ہی ہوتے رہیں گے۔ یہ غور وفکر ہی تو تھا جسکی وجہ سے قابیل ایک کوّے (Crow) کو دیکھ کر اپنے مقتول بھائی کی لاش کو چھپانے کے قابل ہوا۔

یہی نہیں کہ غور وفکر سے اللہ تعالیٰ ہمیں اس زندگی میں عزت دے گا بلکہ اسی کی وجہ سے ہم آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اسکی رحمت کے مستحق بن سکتے ہیں کیونکہ غور و فکر کے بغیر آپ حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے لہٰذا حق پر نہیں چل سکتے۔

آپس میں محبت، اتحاد اور اَمن کی بنیاد دَراصل مل بیٹھ کر کھانے پینے سے شروع ہوتی ہے لیکن کھانے پینے میں اسراف کو پسند نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا**ج'' (اعراف ۷، آیت ۳۱) ترجمہ ''کھاؤ پیو لیکن کھانے پینے میں اسراف نہ کرو''۔

ہماری دعوتوں میں رِیا اور اسراف صاف نظر آتا ہے۔ رِیا سے بچنے کا طریقہ یہ

ہے کہ جب آدمی کسی کی دعوت کرے تو دِل میں یہ نیّت کر لے کہ میں دعوت اسلئے کر رَہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو پسند فرمایا ہے اور اسراف سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں آپکی طبیعت سادگی کی طرف زیادہ مائل ہو اور اپنے وسائل کو مدِّنظر رَکھتے ہوئے دعوت تیار کی جائے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش مکّہ کی پہلی دعوت کی کہ انکو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا جائے تو اس میں صرف کھجوریں اور زمزم کا پانی تھا۔ ہم شادیوں اور مکانات (بیوروکریسی کے دفاتر، ہوٹل، مساجد، ذاتی مکانات) پر اتنا زیادہ خرچ کرتے ہیں کہ اگر اسکا پچاس [۵۰] فیصد کسی صنعت میں لگائیں تو اسکا ہمیں اتنا فائدہ ہوگا کہ ہماری معیشت کسی دوسرے کی محتاج نہیں رہے گی لیکن ہمارا اجتماعی رویّہ اور سوچ انتہائی پست ہے اور ہم ایک دوسرے کی تقلید میں وہی رویّہ اپنا رہے ہیں جیسے مکہ مکرمہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ ہمارے آباؤ واجداد نے تو ایسے ہی کیا تھا، ہم یہ طریقہءِ زندگی نہیں چھوڑ سکتے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا تھا

؎ افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات

؎ جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۱۵: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ مِنْ طَعَامِ الْبُرِّ ثَلٰثَ لَیَالٍ تِبَاعًا حَتّٰی قُبِضَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔
(تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۵۰۶۶)

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، ''جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے، آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گندم کی روٹی سیر ہوکر تین دِن تک متواتر کبھی نہیں کھائی حتیٰ کہ وفات پا گئے''۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ انکی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دُنیا تک پہنچانا تھا اور وہ رات دِن اسی فکر میں رہتے تھے۔ نہ اپنی ہوش تھی اور نہ اپنے کھانے کی فکر..... مل گیا تو کھالیا نہ ملا تو صبر کیا۔

''قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا''
(الاعراف ۷، آیت ۱۵۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا، تم اعلان فرمادو کہ اے (تمام دُنیا کے) انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں'' یعنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مسلمانوں کے ہی رسول نہیں ہیں بلکہ وہ یہودی، عیسائی، ہندو، پارسی، سکھ اور دہریے وغیرہ وغیرہ سب کی طرف اور سب ممالک کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''مجھے اس وقت تک لوگوں سے اپنی تمام صلاحیتوں اور قوتوں سے یہ باور کروانے کیلئے کہا گیا ہے کہ وہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' پر اور میری رسالت پر ایمان لے آئیں کیونکہ زمین اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہے''۔ (تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو زمین کا مالک ہے، نظام بھی اسی کا چلے گا اور اپنا نمائندہ بھی جسکو وہ چاہے، چن لے گا۔ اس میں کسی دوسرے کو اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی طرف سے اعتراض یا دباؤ ڈالنے کی کوشش کرے۔ نہ ہی اسکے نظام میں اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چننے میں)''۔ (مسلم، کتاب الایمان)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایک قوم یا ایک ملک کی طرف رسول بنا کر نہیں

بھیجے گئے تھے بلکہ وہ دُنیا کے تمام ممالک کی طرف بھیجے گئے تھے۔ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک، اس کرّہ ارض پر رہنے والے خواہ وہ جنگلوں میں ہوں، پہاڑوں میں ہوں یا شہروں میں رہتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دیا گیا کہ میرا پیغام (یعنی **لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ**) پہنچانے کیلئے ان تمام قبیلوں اور ملکوں کے ساتھ اگر تمہیں سختی بھی کرنی پڑے تو اس سے گریز نہ کرنا۔ جو **لَآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہ** کا اقرار کرلے گا (اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آخری نبی مان لے گا)، وہ تمہی میں سے ایک ہو جائے گا، اس پر ہتھیار اُٹھانا کفر ہوگا۔

قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ اور مسلم شریف کی اس حدیث مبارک سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشن (Mission) تمام بنی نوع انسان کو جو قیامت تک پیدا ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو قیامت تک زندہ نہیں رَہ سکتے تھے کیونکہ وہ انسان تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمّت کے کندھوں پر آجاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مشن (Mission) کیلئے اتنے فکرمند، متجسس اور مستعد تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ کھانے کی فکر تھی اور نہ ہی لباس کی۔ بس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذہن مبارک میں یہی بات تھی کہ قیامت کے دِن کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال فرمادے کہ تم نے اپنا مشن مکمل نہیں کیا۔ اسی فکر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجۃ الوداع میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مجمع سے تین [۳] دفعہ پوچھا، ''کیا آیا میں نے اپنا مشن مکمل کر لیا'' تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے تینوں دفعہ بآوازِ بلند گواہی دی کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پوری طرح پہنچا دیا ہے۔ (مسند احمد، ابن ماجہ) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کلمہءِ توحید کو قیامت تک آنے والی تمام انسانیت تک پہنچانے کا بندوبست کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی اُمّت (حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی ایسی تربیت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشن

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پورا کرتے رہے پھر اسکے بعد آنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمّتی اس مشن کو پورا کرنے کیلئے اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اس طرح یہ پیغام قیامت تک چلتا رہے گا۔

ذرا خود غور کریں کہ کیا ہم اپنا یہ فرض سرانجام دے رہے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مشن تو قیامت تک جاری رہنا تھا اور ہر آنے والی نسل کو اسکے لیے وہی محنت کرنے کی ذِمّہ داری تھی جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس مشن کی تکمیل کیلئے تقریباً آدھی دُنیا کو قائل فرمایا اور وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر جہنم کی آگ سے بچ گئے۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کی تکمیل کیلئے آنے والی نسلوں میں جذبہ کم ہوتا گیا حتیٰ کہ آج ہم اس حالت کو پہنچ چکے ہیں کہ یہ مشن ہمارے دماغ سے بالکل محو ہو چکا ہے۔ آج کل ہماری ترجیحات اپنی دُنیاوی زندگی کو سنوارنا، دُنیاوی سہولیات کو اکٹھا کرنا، مال و دولت کے پیچھے بھاگنا، جھوٹی شہرت اور اقتدار کیلئے حرام و حلال کی تمام حدود و قیود کو عبور کر جانا ہے۔ اُستاد اس وقت اُستاد بنتا ہے جب وہ اُستاد بننے کی صلاحیتیں رَکھتا ہو اور صلاحیتیں اس وقت رَکھتا ہے جب وہ صلاحیتیں حاصل کرنے کیلئے سخت محنت کر رہا ہو۔ **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلّم انسانیت تھے**۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر معلّم انسانیت ہونے کا فرض ادا کر دیا۔

ہم علم سے دُور بھاگتے ہیں اور محنت نام کی کوئی چیز نہیں رَہی۔ غربت میں عیاشی اور ثروت میں ظلم و تکبر کے ہم عادی ہو چکے ہیں۔ اس رویّہ سے ہم اپنے آپکو معلّمین انسانیت کے درجے پر کیسے فائز کر سکتے ہیں؟ یہ ہمارا بنیادی فرض تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات نے ہمیں دیا تھا لیکن ہم اس بنیادی فرض کو بھول چکے ہیں اور قیامت کے روز اسکے متعلق ہم سے سوال ہوگا۔

اس مشن کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سادگی پر نظر دوڑائیں کہ خمس جو کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ بنتا تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو خرچ کرنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صوابدیدی

اختیارات بھی دے رَکھے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے گھر والوں کو اس میں سے صرف گزراوقات کے لیے دینے کے بعد باقی تمام کا تمام یا تو غریبوں میں تقسیم فرما دیتے تھے یا پھر سامانِ حرب خرید لیتے تھے اور گھر میں کھانے پینے کی کبھی کوئی چیز جمع کر کے نہیں رَکھتے تھے۔

ذرا سوچیں! ہمارا طریقہء زندگی کیا ہے؟ ہم نے اپنے مقصدِ حیات کو صرف کھانے پینے تک ہی محدود رَکھا ہوا ہے اور ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں کہ ہمارے پاس کتنی دولت ہے اور ہماری میز پر کتنے کھانے ہیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نصیحتوں کو ایسے بھلایا ہوا ہے کہ اسے نہ اپنے آپ پر اور نہ ہی اپنے اہل پر نافذ کرنے کا سوچتے ہیں، دُنیا کو پیغام پہنچانا تو بہت دُور کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگی ہمارے لیے واضح مثال ہے کہ انکا **مقصدِ حیات** اللہ تعالیٰ کے قرآن کو دُنیا تک پہنچانے کے سوا اَور کوئی نہ تھا۔ اکثر صحابہ کرام انتہائی تنگدست ہوتے تھے لیکن وہ دِل کے غنی ہوتے تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں رہ کر وہ خوشی حاصل کرتے تھے جو ہم اپنے کھانے کی میزوں پر ہر قسم کا کھانا کھا کر اور دوسری پُرتعیش چیزوں سے حاصل نہیں کرتے۔

ہماری اس طرزِ زندگی کا نتیجہ آپ کے اور میرے سامنے ہے کہ ہم دُنیا میں ذلیل ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں واپس اس کے پیغام کو اوّلین ترجیح دینے کی توفیق نہیں دے رَہا۔ اگر یہی صورت رہی تو ہماری آئندہ نسلیں اِسلام سے ایسے دُور ہو جائیں گی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں یہودی اور عیسائی اپنے دِین سے دُور ہو چکے تھے اور آج تو بہت ہی دُور نکل چکے ہیں۔

اگر ہمارا طریقہء زندگی یہی رَہا کہ ہم نے دولت کو عیاشی اور ظلم پر خرچ کرنا ہے اور اگر ہم غریب ہیں تو کام سے دِل چرانا ہے اور کچھ دوسرے ہیں جو کام بالکل ہی نہیں کرتے حالانکہ وہ کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں اور بھیک مانگنا انہوں نے ایک پیشہ بنایا ہوا ہے اور بھیک مانگ کر عیاشی کرتے ہیں تو پھر یاد رَکھیں ہم کس منہ سے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُمّتی کہنے کے مستحق ہیں؟ اور ہم اپنے فرضِ اوّلین (یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دُنیا تک پہنچانا) میں کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں؟

؎ کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا، تو جسکا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سرِ دارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا
تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیّارا
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
(بانگ درا، خطاب بہ جوانانِ اسلام از علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث۱۶: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ یَمْنَعُ اَحَدَکُمْ نَوْمَهٗ وَطَعَامَهٗ فَاِذَا قَضٰی نُهْمَتَهٗ مِنْ وَجْهِهٖ فَلْیُعَجِّلْ اِلٰی اَهْلِهٖ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۵۰۷۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''سفر ایک مصیبت ہے۔ یہ نیند اور کھانے پینے سے انسان کو روکتا ہے۔ جب تم سفر میں اپنا مقصد پورا کر لو تو جلد اپنے گھر لوٹ آؤ''۔

نوٹ: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ بلاوجہ سفر سے بچو۔ سفر اسی وقت اختیار کرنا چاہیے جب یا تو دِینی ضرورت ہو یا امورِ دُنیا کی خاطر ہو۔ گھر سے باہر نکلنا یقیناً بہت سی مصیبتوں کو دعوت دیتا ہے۔ لوگوں سے اجنبیت، وسائل کی کمی، آرام کو چھوڑنا، کھانے پینے کی تنگی، موسم کا ناسازگار ہونا، چوروں اور ڈاکوؤں کا ڈَر، منزلِ مقصود کا تلاش کرنا اور اسکے علاوہ بے شمار مصیبتیں انسان کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''سفر دراَصل ایک مصیبت ہے'' اور مسافر کو تلقین کی جارہی ہے کہ اپنا مقصد جیسے ہی حاصل ہو جائے، اپنے سفر کو ختم کر کے گھر واپس لوٹ آؤ، بہت بڑی حکمت کی بات ہے۔

سفر انسانی زندگی کا ایک حصّہ ہے۔ اس میں انسان بہت کچھ سیکھتا ہے۔ علم، تجارت، معاملات کا تجربہ، سختی برداشت کرنے کی ہمت، مختلف مشکل واقعات کو حل کرنے کا ملکہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو مر گیا یا مارا گیا، اسکو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔ اگر وہ بخیریت گھر لوٹ آیا تو اسکی تمام تکالیف پر اسکو اَجر ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کہ وہ جنگِ تبوک سے واپس آ رہے تھے کہ ''تم نے کوئی گھاٹی ایسی پار نہیں کی اور کوئی کانٹا تمہارے پاؤں میں نہیں چبھا اور کوئی مصیبت جو تم نے سفر میں برداشت کی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسکا اَجر تمہارے لیے لکھ دیا ہے''۔

سفر چونکہ ایک مصیبت ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے نماز میں تخفیف فرما کر چار کے بجائے دو رکعت کی اجازت دے دی ہے اور روزہ میں بھی رُخصت عطا فرما دی ہے لیکن

اس میں بھی ثواب پوری نماز کا رَکھا ہے۔

تاریخی حقائق ہیں کہ جو قوم با مقصد سفر کرتی رہتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے یا اپنی تجارت کیلئے، اللہ تعالیٰ اس قوم کو بلند فرما دیتا ہے۔ جو قوم کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرتی ہے اور اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتی، وہ ذلیل ہوتی ہے۔

اِسلام سے پہلے عرب دُور دُور تک تجارت کی خاطر سفر کرتے تھے۔ مغرب میں شام اور روم تک اور مشرق میں فارس تک اور جنوب میں ہندوستان کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے۔ یہ ایک مصدّقہ خبر ہے کہ ملائشیا اور انڈونیشیا پر کوئی فوجی مہم واقعہ نہیں ہوئی بلکہ ان ملکوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگی کو دیکھ کر جو کہ تجارت کیلئے گئے تھے، اِسلام قبول کیا تھا۔ جب تک مسلمانوں میں سفر با مقصد جاری رہا، اللہ تعالیٰ نے انکو سر بلند رَکھا۔

روایت ہے کہ حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے دِین کی خاطر اپنی زندگی کے چالیس [۴۰] سال سفر میں گزارے۔ (کشف المحجوب، ترجمہ میاں طفیل محمد، باب مصنف [حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ] کی زندگی)

ہندوستان کے دُور دراز خطوں میں جو آج (بشمول پاکستان) اِسلام کی دولت سے مستفید ہو رہے ہیں، یہ بزرگانِ دِین کی محنت شاقہ کی وجہ سے ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا دِین پھیلانے کیلئے اپنے گھر سے دُور دراز تک سفر کیا۔ ان بزرگوں کا مقصدِ حیات ہی چونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دُنیا تک پہنچانا تھا، اسلئے سفر کی ہر مصیبت برداشت کی لیکن اپنے گھر کو لوٹ کر واپس نہیں آئے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ سفر با مقصد ہونا چاہیے اور اگر گھر واپس لوٹنا ہے تو مقصد پورا ہوتے ہی گھر واپس آ جائیں لیکن آج کل معاش کیلئے ہم سفر کرتے ہیں جو کہ جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''روزی کا حلال ذریعہ تلاش کرنا فرض کے بعد فرض ہے''۔ (مشکوٰۃ شریف، شعب الایمان، باب کمانا اور رزق حلال) جب آپکا مقصدِ سفر مکمل ہو جائے تو فوراً گھر واپس لوٹ آئیں اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مصیبتیں جھیل کر اپنے مرتبے کو بلند کرنا چاہتا ہے، اس کیلئے اجازت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے، اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کیلئے جہاں کا چاہے، سفر کر

سکتا ہے اور جب تک چاہے، وہ اپنے وطن سے دُور رَہ سکتا ہے۔

صرف تفریح کی خاطر سفر کرنا وقت کا ضائع کرنا اور بلامقصد مصیبتوں کا جھیلنا ہے۔اس پر کوئی اَجر نہیں ملتا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۱۷: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَمْسَحُ یَدَہٗ حَتّٰی یَلْعَقَھَا اَوْ یُلْعِقَھَا۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۰۰۶)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب تم میں سے کوئی شخص کھا چکے تو اپنے ہاتھ صاف نہ کرے جب تک کہ برتن کو (اپنی انگلیوں سے) یا تو خود صاف کرے یا دوسرے (ساتھی) سے صاف کروائے''۔

نوٹ: کھانا کھانے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند آداب کی پابندی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے،

[۱] کھانے کا آغاز ''بِسْمِ اللّٰہ'' سے کرنا چاہیے۔ درمیان میں یاد آنے پر ''بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ'' کہہ لے۔ (ابوداؤد)

[۲] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے منع فرمایا کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ (مسلم)

[۳] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''پلیٹ کے کناروں سے کھانا کھایا کرو، بیچ کا حصّہ چھوڑ دیا کرو (جب سب اکٹھے بیٹھے کھا رہے ہوں) ایسا کرنے سے اس میں برکت پیدا ہو جائے گی'' (ابوداؤد)

[۴] کھانا کھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بروایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس دُعا کی تلقین فرمائی، [اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ] ترجمہ [سب تعریف اس خدا تعالیٰ کیلئے ہے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا] (اذکارِ مسنونہ از حافظ ابن قیم)

[۵] اکٹھے ہو کر کھانا کھانے اور ''بسم اللہ'' پڑھ کر شروع کرنے سے اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماتا ہے۔ (ابن ماجہ)

[٦] نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمرو بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھانے کے دوران فرمایا، ''اے لڑکے! اللہ تعالیٰ کا نام لو (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہو)، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ''۔ (جامع ترمذی)

[٧] جس برتن میں انسان کھانا کھاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اگر اسے پونچھ کر اپنے ہاتھ یا روٹی وغیرہ سے صاف کر لے تو وہ برتن اسکے حق میں بخشش کی دُعا کرتا ہے''۔ (دارمی)

[٨] حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور بعد میں دونوں مرتبہ ہاتھ دھونے میں ہے''۔ (ابوداؤد)

[٩] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اپنے پیٹ کا ایک حصّہ کھانے سے بھرو، ایک حصّہ پانی سے اور ایک حصّہ ہوا سے'' (ابن ماجہ)

[١٠] اگر کسی نے آپ کو دعوت پر بلایا تو اس کے حق میں دعا کرنی چاہیے۔ (ابوداؤد)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث۱۸: عَنْ مُحَمَّدٍ هُوَ ابْنُ زِيَادٍ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَتٰى اَحَدَكُمْ خَادِمُهٗ بِطَعَامِهٖ فَاِنْ لَّمْ يُجْلِسْهُ مَعَهٗ فَلْيُنَاوِلْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ اَوْ لُقْمَتَيْنِ فَاِنَّهٗ وَلِيَ حَرَّهٗ وَعَلَاجَهٗ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۰۱۰)

ترجمہ : حضرت محمد بن زیادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان فرماتے ہوئے سنا کہ ''تم میں سے جب کسی کے پاس اس کا خادم کھانا پکا کر لائے تو اگر اس کو اپنے ساتھ نہ بٹھائے تو ایک یا دو لقمے اس کو دے دے کیونکہ اس نے پکانے کی گرمی اور مشقت برداشت کی ہے''۔

نوٹ: یہ خدّام کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۱۹: عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یُعْجِبُہٗ الْحَلوَاءُ وَالْعَسَلُ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۱۵۵)

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میٹھی شئے اور شہد بہت پسند تھا''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ نے شہد کے متعلق فرمایا کہ یہ انسانوں کیلئے شفا ہے: ''وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ○ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ط یَخْرُجُ مِنْ م بُطُوْنِھَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○'' (النحل ۱۶، آیت ۶۸-۶۹) ترجمہ ''اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ تو گھر بنا پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں۔ پھر پھلوں سے رَس چوستی پھر۔ پھر اپنے پروردگار کے راستوں پر چل جو تیرے لیے آسان کر دیئے گئے ہیں۔ پھر اسکے پیٹ سے ایک مشروب نکلتا ہے کہ اسکی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں اور اس میں لوگوں کیلئے شفا رکھی ہے۔ اسکے اندر (بڑی) نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں''۔

طبی نقطہ نگاہ سے شہد کئی بیماریوں کیلئے مفید ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو پیٹ کی بیماری میں خاص طور پر استعمال کرایا ہے۔

شہد دوسری دواؤں کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی دوا شہد میں ڈال کر رکھ دی جائے یا شہد کسی دوا کے ساتھ ملا دیا جائے تو اس دوا کا اثر سالوں تک زائل نہیں ہوتا۔

ہمارے ہاں جو کھانے کے بعد میٹھی چیز لینے کا رواج ہے، شاید یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت سے چلا ہے۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

حدیث ۲۰: عَنِ النَّزَّالِ قَالَ اُتِیَ عَلِیّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَلِیّ بَابَ الرَّحَبَۃَ فَشَرِبَ قَائِمًا فَقَالَ اِنَّ نَاسًا یَکْرَہُ اَحَدُھُمْ اَنْ یَشْرَبَ وَھُوَ قَائِم وَاِنِّیْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَعَلَ کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ فَعَلْتُ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۱۵۶)

ترجمہ: حضرت نزّال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس باب الرحبہ میں پانی لایا گیا تو انہوں نے کھڑے ہوکر پیا اور فرمایا، ''بعض لوگ کھڑے ہوکر پینا مکروہ سمجھتے ہیں حالانکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا جیسے تم نے مجھے کرتے دیکھا ہے''۔

نوٹ: میرے خیال کے مطابق متوازن راستہ ہمارے لیے یہ ہے کہ کھانے پینے کا معمول تو یہ ہونا چاہیے کہ بیٹھ کر ہی کھایا پیا جائے، یہی افضل طریقہ ہے البتہ ضرورت کے وقت کھڑے ہوکر کھانے پینے کی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری آسانی کیلئے ایسا عمل فرمایا ہوگا۔ ترمذی شریف کے باب ''ابواب الاشربہ'' کا غور سے مطالعہ فرمائیں تو آپکو پوری رہنمائی مل جائے گی۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

○.....○.....○

حدیث۲۱: عَنْ اُمِّ سلمة رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِیْ یَشْرَبُ فِیْ اِنَاءِ الْفِضَّۃِ اِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِہٖ نَارُ جَھَنَّمَ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۵۶۱۷)

ترجمہ : اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو کوئی چاندی کے برتن میں پیتا ہے، اسکے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھڑکے گی''۔

نوٹ: سونا انسان کیلئے پہننا یا اس میں کھانا پینا منع ہے۔ چاندی کی انگوٹھی جائز ہے لیکن چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے۔

سونا اور چاندی دَراصل کرنسی ہے۔ یہ کرنسی کیلئے ہی استعمال ہونا چاہیے۔ انکو عورتوں کے زیورات میں استعمال کرنے کی کسی حد تک اجازت دی گئی ہے۔

سونا چاندی (یعنی کرنسی) کے ذریعے مسلسل کاروبار کرتے رہنا چاہیے، اس میں ملکی اقتصادیات میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور معیشت ترقی کرتی ہے۔ سونے چاندی کو جمع کرنا خواہ کسی صورت میں بھی کیا جائے، معیشت کو تنزّل کی طرف لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّۃَ وَ لَایُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لا فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ○''۔ (التوبۃ ۹، آیت ۳۴) ترجمہ ''اے ایمان والو! اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کے مال باطل طریقوں پر کھاتے (اور اُڑاتے) رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کے رَکھتے ہیں اور اسکو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہیں ایک دَردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اشرفی (دینار) سونے کا ہوتا تھا اور درہم چاندی کا۔ گو آج کل سونے اور چاندی کے سکے دُنیا سے تقریباً غائب ہیں اور انکی

جگہ کاغذ کے نوٹ آ گئے ہیں لیکن نظامِ اقتصادیات کی بنیاد اب بھی سونے چاندی پر ہی چل رہی ہے۔

حضرت عقبہ ابن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے مدینہ طیبہ میں نمازِ عصر پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سلام پھیرا پھر تیزی سے کھڑے ہوئے اور فوراً گھر گئے۔ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس طرح کی غیر معمولی جلدی سے گھبرا گئے۔ جب واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''میرے پاس سونے کا ایک پترا تھا جو ابھی تک گھر میں پڑا تھا۔ میں اسکے تقسیم کر دینے کا حکم دے کر آیا ہوں۔ میں نے یہ ناپسند کیا کہ وہ رات آنے تک میرے گھر میں یونہی پڑا رہے''۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب سخاوت اور بخل کے بیان میں، حدیث ۱۷۸۹)

اس حدیث شریف سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سونا (اور چاندی) جمع کرنے کی چیزیں نہیں ہیں، انکو معاشرے میں سرگرداں رہنا چاہیے۔ اسی سے معاشی ترقی ہوتی رہتی ہے

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۲۲: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّصِیْبَةٍ تُصِیْبُ الْمُسْلِمَ اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا عَنْهُ حَتّٰی الشَّوْکَةُ یُشَاکُهَا۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ٦١٨١)

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہء محترمہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مسلمان پر مصیبت نہیں آتی مگر اللہ تعالیٰ اسکے سبب اس سے گناہ مٹا دیتا ہے یہاں تک کہ کانٹا چبھ جائے تو اس سے بھی گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے''۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو فرمایا کہ ''تم کسی گھاٹی میں نہیں چلے اور کوئی کانٹا نہیں چبھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ثواب لکھ دِیا ہے''۔

ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے مرگی کا دَورہ پڑتا ہے اور مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے''۔ (مطلب یہ تھا کہ تم اس بیماری کے بدلے جنت میں جاؤ گی) اس نے عرض کی کہ ''اچھا! میں صبر کروں گی'' اور وہ مرتے دَم تک صبر کرتی رہی۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ٦١٩١)

اس زندگی میں ہر انسان کو اچھے بُرے حالات سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ جہاں تک مؤمن کا تعلق ہے، اسے جو بھی تکلیف آتی ہے، اس سے اسکے بعض گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ صبر کرنے کی عادت پڑتی ہے، اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کا مزید موقع ملتا ہے اور اس مصیبت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کیلئے آئندہ کے واسطے رہنمائی کے اسباب رَکھے ہوتے ہیں تاکہ جو گذشتہ دِنوں میں اس سے غلطیاں ہوئی ہیں، ان سے پرہیز کرنے کی کوشش کرے اور انکے بدلے صِراطِ مستقیم پر توجہ دے۔ اس مصیبت سے اسکے درجات بھی بلند ہوتے ہیں اور صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ اسکے بدلے اسکو کوئی نہ کوئی نعمت عطا

فرماتا ہے پھر اسکو مزید اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کرنے کا موقع ملتا ہے تا کہ وہ شاکرین اور صابرین میں سے ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۴۴) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو ضرور اَجر (اچھا بدلہ) دے گا'' اور مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○'' (البقرۃ ۲، آیت ۱۵۳) ترجمہ ''یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اسکے برعکس جو شخص اپنی مصیبت پر واویلا کرتا ہے۔ لوگوں اور اللہ تعالیٰ سے گلہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکی مصیبت کو اَور زیادہ کر دیتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور مغفرت مانگے تو اللہ تعالیٰ اسکو معاف فرما کے وہی معاملہ فرماتا ہے جو مؤمن کیلئے اوپر بیان کیا گیا۔ اگر وہ گریہ وزاری کرتا رہتا ہے تو پھر اسکی مصیبت اَور لمبی ہو جاتی ہے یا اپنا رُخ بدل لیتی ہے یا یہ ہے کہ وہ مصیبت تو چلی جاتی ہے لیکن فوراً ہی ایک دوسری مصیبت آ جاتی ہے۔ یہ ہے ان بندوں کا حال جو اللہ تعالیٰ کے ناشکرے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے، ''وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْد'' ○ (ابراہیم ۱۴، آیت ۷) ترجمہ ''اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے''۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۲۳: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ کَعْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَالْخَامَۃِ مِنَ الزَّرْعِ تُفِیْئُھَا الرِّیْحُ مَرَّۃً وَتَعْدِلُھَا مَرَّۃً وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ کَالْاَرْزَۃِ لَا تَزَالُ حَتّٰی یَکُوْنَ اِنْجِعَافُھَا مَرَّۃً وَاحِدَۃً۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۱۸۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مؤمن کی مثال کھیتی کے پودوں کی مانند ہے جبکہ ہوا انہیں اِدھر اُدھر جھکا دیتی ہے اور کبھی اسے سیدھا کرتی ہے اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی مانند ہے کہ وہ جھکتا نہیں حتیٰ کہ ایک ہی دفعہ اُکھڑ جاتا ہے''۔

نوٹ: مؤمن کی مثال کھیتی سے دی گئی ہے جو لچک رکھتی ہے۔ مؤمن موقع کے لحاظ سے جھک جاتا ہے، ضد اور تکبر نہیں کرتا۔ وہ ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

مؤمن کا ایمان گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ جھکنے کے بعد جب ایمان میں ترقی ہوتی ہے تو مؤمن پودے کی طرح سیدھا ہو جاتا ہے یعنی صراطِ مستقیم پر مزید استقامت اختیار کر لیتا ہے

منافق میں لچک نہیں ہوتی، وہ اپنی منافقت پر بضد رہتا ہے۔ تکبر اسکو جھکنے نہیں دیتا حتیٰ کہ اسی منافقت کی حالت میں مر جاتا ہے اور جہنم میں چلا جاتا ہے۔ زمانے کے حوادث اس پر کوئی اَثر نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا، اسکی منافقت مزید بڑھ جاتی ہے۔ وہ نہ تو مصیبت میں صبر اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا ہے اور نہ ہی وہ خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔

اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو ہماری سیاسی یا غیر سیاسی حکومتیں اور ان کے بڑے بڑے اہلکار جھکنے کا نام نہیں لیتے خواہ وہ عوام کے کتنے ہی بادِ سموم کے جھونکوں کا سامنا کریں۔ **انکا ایمان وقت کا ایمان ہے**۔ عوام کے سامنے وہ کچھ اَور بات کر کے جاتے ہیں اور عملی طور پر وہ کچھ اَور کام کرتے ہیں۔ انکا رویہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مدینہ طیبہ کے منافقین کا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم مؤمنین ہیں اور اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ○ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّا

اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ○''(البقرۃ۲،آیت۹)ترجمہ''کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر (لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ) وہ ہرگز ایمان نہیں لائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور مؤمنین کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ (وہ سخت غلطی میں ہیں) وہ دَراصل اپنے آپکو ہی دھوکہ دے رہے ہیں لیکن اسکا انہیں شعور نہیں ہے''۔

منافق دَراصل اپنے آپکو ہی دھوکا دیتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ سیاسی یا غیر سیاسی جو بھی حکومت آتی ہے، وہ عوام کے ساتھ بہت وعدے کرتے ہیں لیکن دونوں ہی ان وعدوں کو پورا نہیں کرتے۔ وہ دَراصل عوام کو بے وقوف بناتے ہیں اور اپنے آپکو افلاطون سمجھتے ہیں۔ ابھی تک جو بھی آیا، اس منافقت کی وجہ سے ذلیل ہوکر رُخصت ہوا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا،''فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ'' فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمۡ عَذَابٌ'' اَلِيۡمٌ''ۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ○ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ○ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ○''(البقرۃ۲،آیت۱۰-۱۱-۱۲)ترجمہ ''انکے دِلوں میں مرض ہے یعنی نفاق کا تو ہم نے انکا یہ مرض اور زیادہ کر دیا اور ان کیلئے دَردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تھے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔ سُن رَکھو حقیقتاً یہی لوگ فسادی ہیں اور یہ اسکا بھی احساس نہیں رَکھتے''۔

بلاشبہ ہماری حکومتیں ابھی تک فساد مچانے میں زیادہ تیز ہیں اور فلاحی کام کرنے میں انتہائی سست ہیں اور جو فلاحی کام کرتے ہیں، وہ بھی عوام کیلئے نہیں بلکہ اپنی ذات کو مشہور کرنے یا بڑا بنانے کیلئے سرانجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے رویّے (Behaviour) کو پسند نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ صاف گوئی، خدمت خلق اور اپنی ڈیوٹی کو پوری ایمانداری سے سرانجام دینے کو پسند فرماتا ہے۔

وَمَا عَلَيۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلَاغُ الۡمُبِيۡنُ

○.....○.....○

حدیث ۲۴: عَنْ اَبَا هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ یُرِدِ اللّٰه بِهٖ خیرًا یُصِبْ مِنْهُ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۱۸۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسکو مشقت میں مبتلا فرمادیتا ہے'' (تاکہ اسکو گناہوں سے پاک فرمادے)۔

○.....○.....○

حدیث ۲۵: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ مَا رَاَیْتُ اَحَدَ نِ الْوَجَعُ عَلَیْهِ اَشَدَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۱۸۶)

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، ''میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کسی کو تکلیف کی شدت میں مبتلا نہیں دیکھا''۔

○.....○.....○

حدیث ۲۶: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِهٖ وَهُوَ یُوْعَکُ وَعْکًا شَدِیْدًا وَقُلْتُ اِنَّکَ لَتُوْعِکُ وَعْکًا شَدِیْدًا قُلْتُ اِنَّ ذٰلِکَ بِاَنَّ لَکَ اَجْرَیْنِ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَجَلْ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُصِیْبُهٗ اَذًی اِلَّا حَاتَ اللّٰهُ عَنْهُ خَطَایَاهُ کَمَا تَحَاتُّ وَرَقُ الشَّجَرِ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۱۸۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری کے وقت حاضر ہوا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت تیز بخار تھا۔ میں نے عرض کیا، ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت تیز بخار ہے''۔ میں نے کہا، ''یہ اسلئے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوگنا ثواب

حاصل ہوتا ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہاں! درست ہے، کوئی مسلمان نہیں جسکو تکلیف اور اذیت پہنچے مگر اللہ تعالیٰ اسکے گناہ گرا دیتا ہے جیسے درخت کے پتے گر جاتے ہیں''۔

○.....○.....○

حدیث ۲۷: عَنْ عَطَاءُ بْنُ اَبِیْ رَبَاحٍ قَالَ قَالَ لِیْ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَلَا اُرِیْکَ اِمْرَأَۃً مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ قُلْتُ بَلٰی قَالَ ھٰذَا الْمِرْأَۃُ السَوْدَاءُ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّیْ اُصْرَعُ وَاِنِّیْ اَتَکَشَّفُ فَادْعُ اللّٰہَ لِیْ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَکِ الجَنَّۃُ وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰہَ اَنْ یُعَافِیَکِ فَقَالَتْ اَصْبِرُ فَقَالَتْ اِنی اَتَکَشَّفُ فَادْعُ اللّٰہَ اَلَّا اَتَکَشَّفَ فَدَعَالَھَا۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۱۹۱)

ترجمہ: حضرت عطا بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، ''کیا میں تجھے جنتی عورت نہ دکھاؤں؟'' میں نے کہا، ''کیوں نہیں! (ضرور دکھائیں)''۔ انہوں نے فرمایا، ''یہ کالی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، 'مجھے مرگی کا دَورہ پڑتا ہے (اور میں بیہوش ہو جاتی ہوں) اور میرے کپڑے کھل جاتے ہیں، میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں'۔ فرمایا، 'اگر چاہتی ہے تو صبر کر، تیرے لیے جنت ہے۔ اگر چاہتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ تجھے تندرستی عطا فرمائے'۔ اس نے عرض کی، '(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) میں صبر کرتی ہوں' اور عرض کی، 'میرے کپڑے جو کھل جاتے ہیں، اسکے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں' تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیلئے دُعا فرمائی''۔

○.....○.....○

حدیث ۲۸: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ

سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ قَالَ اِذَا ابْتَلَیْتُ عَبْدِیْ بِحَبِیْبَتَیْہِ فَصَبَرَ عَوَّضْتُہٗ مِنْھُمَا الْجَنَّۃَ ۔(تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۱۹۳)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''جب اپنے بندے کی دو [۲] محبوب چیزوں (آنکھوں) سے آزمائش کرتا ہوں اور وہ صبر کرے تو اسکو انکے عوض جنت عطا فرماتا ہوں''۔

نوٹ: [احادیث ۲۴-۲۸] اس دُنیا میں جو بھی تکلیف آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اسکا ثواب رکھا ہوا ہے۔ تکلیف جتنی زیادہ شدّت کی ہوگی، اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ محمود تک پہنچانا تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دُنیا میں تکلیفیں بھی زیادہ دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ تکلیفیں دی گئیں ہیں۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے، ''جب اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کو پیدا فرمایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ ''تم جا کر جنت اور اسکی نعمتوں کو دیکھو''۔ وہ چلے گئے اور اسے دیکھ بھال کر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ ''تم نے جنت کو کیسا پایا؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ''پروردگار! تیری عزت کی قسم! جنت کی ان نعمتوں کے متعلق جو بھی ایک مرتبہ سن لے گا، وہ جنت میں ضرور داخل ہونا چاہے گا'' پھر اللہ تعالیٰ کے حکم پر جنت کو مشقت والے کاموں سے گھیر دیا گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام دوبارہ اسکو دیکھنے کیلئے گئے اور اس مرتبہ واپس آ کر عرض کیا، ''تیری عزت کی قسم! مجھے تو یہ اندیشہ ہو گیا ہے کہ اب کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا''۔ (جامع ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جنت تکلیفوں اور مشقتوں کے ساتھ گھیر دی گئی ہے جبکہ دوزخ کا احاطہ شہوات نے کیا ہوا ہے''۔ (جامع ترمذی)

احادیث نمبر۲۴ سے ۲۸ بالکل واضح ہیں۔ان پر مزید نوٹ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ جو بھی مصیبت آئے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کریں کہ یا اللہ رَبّ العزت! تو نے مجھے اتنی ہی تکلیف دی ہے جسکو میں برداشت کرسکتا ہوں، اس تکلیف کو مجھ سے دُور فرمادے۔

''اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّی وَرَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔لَایَشْفَعُ مُصِیْبَتِیْ اِلَّآ اَنْتَ''

اے اللہ تعالیٰ! جیسے تو سب کائنات کا رَبّ ہے، تو ہی میرا بھی رَبّ ہے۔تیرے سوا میری اس مصیبت کو کوئی نہیں حل کرسکتا۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

○.....○.....○

حدیث ۲۹: عَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَتٰی مَرِیْضًا اَوْ اُتِیَ بِهٖ قَالَ اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ وَاَنْتَ الشَّافِیُ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُکَ شِفَاءً لَایُغَادِرُ سُقْمًا۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۲۱۴)

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مریض کے پاس تشریف لے جاتے یا کوئی مریض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا جاتا تو فرماتے، ''اے لوگوں کے پروردگار! بیماری کو لوگوں سے دُور فرما دے۔ شفاء عطا فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے۔ شفا صرف تیری ہی طرف سے ہے۔ ایسی شفاء دے جو بیماری کا نام ونشان تک نہ چھوڑے''۔

نوٹ: یہ ایک بہترین دُعا ہے جو ہمیں یاد رکھنی چاہیے۔ آپ جب بھی کسی مریض کی عیادت کیلئے جائیں تو اس دُعا سے مریض کی صحت کیلئے دُعا کریں، انشاء اللہ العزیز شفا ہوگی۔

''**اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ وَاَنْتَ الشَّافِیُ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُکَ شِفَاءً لَایُغَادِرُ سُقْمًا**''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ [۶] حقوق ہیں:

[۱] جب اسے ملے تو سلام کرے

[۲] جب وہ بلائے تو دعوت کو قبول کرے

[۳] جب وہ چھینکے تو جواب دے

[۴] جب وہ بیمار پڑے تو عیادت کرے

[۵] جب وہ مرے تو اسکے جنازے کے پیچھے جائے اور

[۶] اس کیلئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

[مشکوٰۃ شریف، ترمذی]

یہ مؤمنین کے وہ بنیادی حقوق ہیں جنکا واسطہ روزمرہ کی زندگی میں کئی دفعہ پیش آتا ہے۔ اگر ہم یہی حقوق مدّنظر رکھیں تو ملک اور اُمت میں یکجہتی اور اَمن پیدا ہوسکتا

ہے۔ گوظاہری طور پر یہ باتیں آپکو معمولی نظر آتی ہیں لیکن انکے اَثرات بہت دُور رَس ہیں۔ ذرا آپ تجربہ تو کر کے دیکھیں۔

اسکے علاوہ بھی اَور بہت سے حقوق ہیں لیکن ان سب کو یہاں لکھنا حکمت سے خالی ہے۔ آپ قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب مطالعہ کریں تو اس بات پر نظر رَکھیں کہ اس میں میرے حقوق دوسروں پر کیا ہیں اور دوسروں کے حقوق مجھ پر کیا ہیں اور حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی نصیحت جو کہ کشف المحجوب میں موجود ہے، ''بہادر ترین انسان وہ ہے جو دوسرے کا حق نہیں مارتا بلکہ اپنا حق دوسرے کو دے دیتا ہے''۔ یاد رَکھیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۳۰: عَنْ رُبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوَّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ کُنَّا نَغْزُوْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نَسْقِی الْقَوْمَ وَنَخْدُمُھُمْ وَنَرُدُّ الْقَتْلٰی وَالْجَرْحٰی اِلَی الْمَدِیْنَۃِ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۲۱۸)

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوّذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا، ''ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں جنگ کیا کرتی تھیں، لوگوں کو پانی پلاتیں اور انکی خدمت کرتی تھیں اور مقتول اور زخمیوں کو مدینہ منورہ لاتی تھیں''۔

نوٹ: اِسلام حالات اور موقع کے لحاظ سے عورت کو معاشرتی زندگی میں بیرونِ خانہ کام کرنے سے نہیں روکتا البتہ پردے کو میانہ رَوی سے اختیار کرنا، لباس میں تقویٰ کا دھیان رَکھنا اور مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے پیدا ہونے والے مسائل کا سدِّ باب کرتے رہنا **حکمران کی حکمت اور صلاحیت پر منحصر ہے۔**

ہمارے ہاں حکمرانوں میں حکمت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناواقف ہیں۔ انسانیت کے اچھے تقاضوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ نتیجہ آپکے سامنے ہے۔

اِسلام ہرگز یہ بات پسند نہیں کرتا کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں بند کر دیا جائے البتہ اس پر زور دیتا ہے کہ بلاوجہ گھر سے نکلنا عقلمندی کا تقاضا نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں دَرج ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو مسجد میں جانے سے مت روکو'' پھر صحیح مسلم میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بیت الخلاء کا رواج تو نہ تھا اور عورتیں اپنے اہل خانہ کی اجازت سے دُور دراز جا کر قضائے حاجت کر لیتی تھیں۔ صحیح مسلم میں ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو عید کی نماز میں شرکت کیلئے عیدگاہ جانے کی اجازت دی ہے اور حکم فرمایا ہے کہ وہ بھی خیر کے اس موقع پر مسلمانوں کی دُعاؤں میں شریک ہوں۔ (حدیث انسائیکلوپیڈیا [بیت العلوم، نابھہ روڈ، لاہور] از مولانا محمد ظفر اقبال)

ہم میں میانہ روی کا شعور نہیں ہے۔ کچھ لوگ خواتین کو گھر سے باہر نکلنے اور ضروری کام جیسے کوئی پیشہ اختیار کرنا اور گاڑی چلانا، اسکی بھی اجازت نہیں دیتے۔ ایک طرف تو وہ

لوگ ہیں جو عورت کو پورا ڈھانپ کر باہر جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اپنی بہو بیٹیوں اور بیویوں کو ہر قسم کے لباس میں اجازت دے دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''نفیس لباس پہننے والیاں قیامت میں اکثر ننگی ہوں گی''۔ (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۱۱۵)

اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا قانونِ فطرت ہے۔ عورت کا ستر یعنی ڈھانپنے والے حصّے سارا جسم ہے سوائے دو [۲] ہاتھوں، دو [۲] پاؤں اور چہرے کے۔ اگر لباس میں سادگی ہو اور یہ حصّے ننگے بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ اگر لباس کے اوپر ایسا حجاب پہن لیا جائے جس سے عورت کی آنکھیں اور چہرہ بھی چھپ جائے تو پھر عورت کیلئے باہر کی زندگی میں کام کاج کرنے میں بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ ایسا لباس خود عورت کیلئے ایک مصیبت بن جاتا ہے۔

ہمارے ٹیلی ویژن پر جو مستورات نیوز براڈ کاسٹنگ کیلئے آتی ہیں یا ڈراموں میں حصّہ لیتی ہیں، انکو چاہیے کہ اپنا لباس سادہ رکھیں اور شرعی ستر کو اپنانے میں نہ شرمائیں کیونکہ یہاں کا شرمانا وہاں کی آگ سے بہتر ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۳۱: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخِیْ یَشْتَکِیْ بَطْنُہٗ فَقَالَ اسْقِہٖ عَسَلًا ثُمَّ اَتَاہُ الثَانِیَۃَ فَقَالَ اسْقِہٖ عَسَلًا ثُمَّ اَتَاہُ الثَالِثَۃَ فَقَالَ اسْقِہٖ عَسَلًا ثُمَّ اَتَاہُ فَقَالَ قَدْ فَعَلْتُ فَقَالَ صَدَقَ اللّٰہُ وَ کَذَبَ بَطْنُ اَخِیْکَ اسْقِہٖ عَسَلًا فَسَقَاہُ فَبَرَّأَ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۲۲۳)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی، ''میرے بھائی کے پیٹ میں دَرد ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اسکو شہد پلاؤ''۔ پھر وہ دوبارہ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر فرمایا، ''اسکو شہد پلاؤ''۔ پھر تیسری بار آیا اور عرض کی، ''میں نے شہد پلایا ہے''۔ سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا (کہ شہد میں شفا ہے) لیکن تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا''۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر فرمایا کہ ''اسکو شہد پلاؤ''۔ تو اس نے شہد پلایا اور وہ تندرست ہوگیا۔

نوٹ: سائل اور مسئول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مریض شہد نہیں پیتا تھا یعنی طبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایت پر عمل نہیں کر رہا تھا۔ اسکی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں کہ شہد میسر نہیں تھا یا غربت کی وجہ سے خرید نہیں سکتا تھا یا ذاتی بنا پر مناسبت نہیں رکھتا تھا یا خیال کرتا تھا کہ شہد اور پیٹ کے دَرد کا کیا تعلق ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسے مریض کو جو معالج کی ہدایت پر عمل نہیں کرتا، ہم ڈاکٹر اسکو نان کمپلائنٹ (Non-Compliant) مریض کہتے ہیں یعنی وہ مریض جو معالج کی ہدایت پر پوری طرح عمل پیرا نہیں ہوتا۔ عام اندازے کے مطابق ایسے مریض امریکہ میں پچاس فیصد ہیں، برطانیہ میں ایک فیصد سے زیادہ نہیں ہیں جبکہ پاکستان میں تقریباً نوّے فیصد ہیں[1]۔

[1] Current Medical Diagnosis - a LANGE Medical Book

یہ مریض دَراَصل نان کمپلائنٹ (Non-Compliant) تھا اور وہ شہد نہیں لے رَہا تھا۔ وہ خود بھی جھوٹ بول رَہا تھا کہ وہ شہد لے رہا ہے اور اسکے بھائی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک دفعہ جھوٹ بولا کہ اسکو شہد پلایا۔

جب اسکے بھائی نے کہا کہ میں نے شہد پلایا تو یہ جھوٹ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دَرگزر فرمایا اور اسکو معاف فرمادیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے بھائی کو تو معاف فرمادیا لیکن مریض کو بھی اپنی شانِ رحمت سے یہ گوارا نہیں فرمایا کہ اسکو جھوٹا کہا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی کو اس زندگی میں جھوٹا فرمادیں گے تو قیامت کے روز یہ پکی گواہی اس انسان کے خلاف جائے گی۔ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے گوارا فرماسکتے تھے کہ وہ اپنی اُمّت کے کسی آدمی کو اس طرح جھوٹا فرمائیں لہٰذا انہوں نے ایک ایسا طریقہ اپنی حکمت سے اختیار فرمایا کہ جس سے اسکے پیٹ کو آخرت میں کچھ سزا ہوسکتی ہے لیکن وہ انسان بذاتِ خود جھوٹوں میں شمار نہیں ہوگا، اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے بات فرمائی کہ اسکا پیٹ جھوٹ بول رَہا ہے کہ وہ شہد لے رہا ہے، دَراصل وہ شہد نہیں لے رَہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا، ''صَدَقَ اللّٰہُ''، یہ اشارہ تھا قرآن حکیم کی اُس آیت مبارکہ کے بارے میں جو شہد کے متعلق ہے، ''وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ○ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ط یَخْرُجُ مِنْ م بُطُوْنِھَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○'' (النحل ۱۶، آیت ۶۸-۶۹) ترجمہ ''اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی فرمائی کہ تو گھر بنا پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں، ان میں۔ پھر پھلوں سے رَس چوستی پھر۔ پھر اپنے پروردگار کے راستوں پر چل جو تیرے لیے آسان کر دیئے گئے ہیں۔ پھر اسکے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے کہ اسکی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں اور اس میں لوگوں کیلئے شفا رَکھی ہے۔ اسکے اندر (بڑی) نشانی ہے ان لوگوں

کیلئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ ارے بندے! اللہ تعالیٰ تو فرما رہا ہے کہ میں نے شہد میں شفا رَکھی ہے اور تم اور تمہارا بھائی تأثر دے رَہے ہیں کہ شفا نہیں مل رہی، کیا تم اللہ تعالیٰ کو جھٹلا رَہے ہو؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمہارا بھائی شہد لے اور اسکو شفا نہ ہو پھر وہی ہوا کہ جب اسکو شہد دیا گیا تو وہ شفایاب ہو گیا۔

''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○''

[الانبیاء ۲۱، آیت ۱۰۷]

ترجمہ ''ہم نے تو تمہیں تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے'' (تمام جہان یعنی انسان، جنات، تمام جاندار، جمادات، حیوانات اور نباتات وغیرہ وغیرہ اور جو کچھ انکے علاوہ کائنات میں موجود ہے)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ

نان کمپلائنس (Non-Compliance) جسکا معنی یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی ہدایات دی گئی ہیں خواہ وہ کسی شعبے سے تعلق رَکھتا ہو، وہ اس پر عمل نہیں کرتا خواہ جزوی طور پر.....خواہ مکمل طور پر۔ ایسا رویّہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

جنگ موتہ کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فوج کو الوداع کہہ دیا اور اس فوج کا ایک کمانڈر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھا۔ دوسرے دِن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد میں دیکھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے پوچھا کہ ''تمہیں تو جہاد پر بھیجا گیا تھا اور تم ابھی یہاں ہو؟'' حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں عرض کیا کہ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آج جمعہ ہے اور میں نے سوچا کہ جمعہ آپکے ساتھ پڑھوں اور گھوڑا میرے پاس تیز رفتار ہے۔ فوج کے محاذ پر پہنچنے سے پہلے ہی میں انکے ساتھ جا ملوں گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم جنگ سے پہلے فوج کے ساتھ مل تو جاؤ گے لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم جنت سے پانچ سو [۵۰۰]

سال دُور ہو گئے ہو‘‘۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اسلئے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپریم کمانڈر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ہدایات کے مطابق فوج کے ساتھ نہیں رہے۔

حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’یہ علم کے چلے جانے کا وقت ہے‘‘۔ میں نے عرض کیا کہ ’’علم کیسے جاتا رہے گا؟ جبکہ ہم قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں، اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور وہ اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا‘‘۔ میری بات پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ’’تیری ماں تجھ کو گم کرے، میں تو تجھ کو مدینہ منورہ کے عقلمندوں میں سے سمجھتا تھا (تم تو میری بات ہی نہیں سمجھے)۔ کیا یہ یہودی اور نصرانی تورات وانجیل نہیں پڑھتے لیکن وہ اسکے احکام میں سے کسی پر عمل نہیں کرتے‘‘۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

یہ حدیث شریف بھی ہمیں اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ یہود اور نصرانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت اپنی آسمانی کتابوں پر عمل نہیں کرتے تھے یعنی وہ نان کمپلائنٹ (Non-Compliant) قومیں تھیں، اسی لئے وہ زمانے میں اس وقت انسانیت کی انتہائی پستی میں تھیں۔ **ذرا غور کریں کیا آج ہماری حالت ویسی ہی نہیں ہے؟** ہم قرآن حکیم بھی پڑھتے ہیں، ہمارے علمائے کرام ہمیں احادیث شریف بھی سناتے ہیں لیکن ہم اپنے ٹیڑھے راستوں کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ہم بھی نان کمپلائنٹ (Non-Compliant) قوم بن چکے ہیں۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں، ’’علم عمل کے بغیر فائدہ نہیں دیتا‘‘۔ (کشف المحجوب، باب علم)

اگر ہم اپنی سوسائٹی کا رویّہ دیکھیں تو ننانوے [۹۹] فیصد کسی قسم کی ہدایات پر عمل نہیں کرتے۔ ہم قرآن حکیم پڑھتے ہیں، اس پر عمل نہیں کرتے۔ ہم احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے ہیں، اس پر عمل نہیں کرتے۔ ہم نے ایک آئین مملکت بنایا ہوا ہے جو از خود ادھورا، نامکمل اور غلطیوں سے پُر ہے لیکن باوجود اپنے ہاتھوں کا بنایا ہونے کے، اس پر بھی عمل نہیں کرتے۔ گویا کہ ہم ایسی قوم ہیں جیسے جنگل میں کوئی عمل کوئی قانون نہیں ہوتا بلکہ اپنی مرضی پر زندگی بسر ہوتی ہے۔

آپ خود غور کریں ہماری ریلویز کبھی ٹائم کو ملحوظ نہیں رَکھتیں۔ ہمارا ہوائی سفر اسی طرح وقت کی پابندی نہیں کرتا۔ ہماری انتظامیہ بنائے ہوئے قوانین کے مطابق انتظام نہیں کرتی۔ ہر انسان اپنے گھر میں، گلی کوچے میں، دفتر میں حتیٰ کہ عدالتوں میں نہ اپنے وقت کی پابندی کرتے ہیں، نہ اپنے عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔ کسی حکومتی اہلکار کو میں نے نہیں دیکھا کہ اس نے کبھی دفتر میں وقت پر آنے کی تکلیف گوارا کی ہو۔ نان کمپلائنس (Non-Compliance) بھی ایک قسم کی کرپشن ہے اور یہ سخت امانت میں خیانت کرنے کا جرم ہے۔ قرض لے کر ہم واپس نہیں کرتے، وعدہ کر کے ہم اس پر قائم نہیں رہتے۔ گواہی دینے کیلئے ہم جھوٹ بولنے کی انتہا تک چلے جاتے ہیں۔ نماز ہم میں سے صرف چند ایک ہی لوگ پڑھتے ہیں جنکی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک دو فیصدی سے زیادہ نہیں ہے۔ بنکوں سے پتہ کریں تو بڑے بڑے عالم بھی سودی کاروبار کرتے ہیں۔ شراب پر کوئی خاص عملی پابندی نہیں ہے۔ ایک مسلم ملک میں تو شراب ہر انسان کیلئے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رَکھتا ہو، قانوناً بند ہونی چاہیے۔ بجلی چوری ہم کرتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق چور کے ہاتھ کاٹ دینے چاہییں۔ ان حالات میں جبکہ سب سے زیادہ نان کمپلائنٹ (Non-Compliant) شخصیات حکمران ہوں خواہ وہ سیاسی ہوں یا غیر سیاسی اور انکے نیچے کام کرنے کی پوری انتظامی مشینری بھی ایسی ہی ہو تو کیا ہم قومی ترقی جس سے ہم باعزت اور آزاد نہ زندگی بسر کر سکیں، ممکن ہے؟

کیا قرآن حکیم کی تلاوت کا مطلب یہ ہے کہ اسکو پڑھ کے غلاف میں بند کر کے الماری میں رَکھ دیں اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ کر کے اسکو بھلا دیں اور آئین کو اس وقت ہم نکالیں جب ہمیں اپنے آپکو کسی مصیبت سے بچانا ہے تو اس میں شاید کوئی شق ایسی مل جائے جس سے ہم فائدہ اُٹھا سکیں۔

کبھی آپ نے غور کیا کہ ہماری یونیورسل نان کمپلائنس (Universal Non-Compliance) ہمیں ہر مصیبت اور حادثہ کی طرف دھکیل رہی ہے۔ اگر ہم نے زندہ قوموں کی طرح رہنا ہے تو ہمیں اپنی اس مہلک عادت کو چھوڑنا پڑے گا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

حدیث ۳۲: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ کَانَ یَنْفُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ فِی الْمَرَضِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ بِالْمُعَوَّذَاتِ فَلَمَّا ثَقُلَ کُنْتُ اَنْفُثُ عَلَیْهِ بِهِنَّ وَاَمْسَحُ بِیَدِ نَفْسِهٖ لِبَرَکَتِهَا فَسَاَلْتُ الزُّهْرِیَّ کَیْفَ یَنْفِثُ قَالَ کَانَ یَنْفِثُ عَلٰی یَدَیْهِ ثُمَّ یَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهٗ۔ (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۶۲۶۶)

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس مرض میں وفات پائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معوّذتین (سورۃ الفلق وسورۃ الناس) پڑھ کر اپنے اوپر دَم فرماتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ بیمار ہوگئے تو انکے لیے یہ عمل مشکل ہوگیا پھر میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دَم کرتی تھی اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس کی برکت کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسح کرتی تھی۔ حضرت معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح جسم مبارک کو مسح فرماتے تھے؟'' انہوں نے فرمایا، ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں ہاتھوں پر پھونکتے پھر انہیں چہرۂ انور پر پھیرتے تھے''۔

نوٹ: مسلم شریف میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل منقول ہے کہ ہر شب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر خواب پر تشریف لے جاتے تو دونوں ہتھیلیوں کو جوڑ لیتے اور پھر سورۂ اِخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر انکو پھونکتے اور اپنے جسم پر جہاں تک ہوسکتا، انہیں پھیر لیتے۔ مسح کی ابتداء سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصّے سے فرماتے۔ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین بار فرماتے۔ (اذکارِ مسنونہ، حافظ ابن قیم)

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

حدیث ۳۳: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْظُرُ اللّٰہَ الٰی مَنْ جَرَّ ثَوْبَہٗ خُیَلَاءَ۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۳۰۸)

ترجمہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو نظر کرم سے نہ دیکھے گا (قیامت کے روز) جو اپنا کپڑا اغرور سے زمین پر گھسیٹ کر چلتا ہے''۔

نوٹ: تکبر کرنا اللہ تعالیٰ کو کسی صورت میں بھی پسند نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جسکے دِل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو''۔ ایک شخص عرض گزار ہوا کہ ''ایک آدمی چاہتا ہے کہ اسکے کپڑے اچھے ہوں، اسکے جوتے اچھے ہوں''۔ فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور حسن و جمال کو پسند فرماتا ہے''۔ فرمایا کہ ''**تکبر تو حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے**''۔ (مشکوٰۃ، مسلم)

ہمارے معاشرے میں تکبر کی کئی نشانیاں ہیں مثلاً **پگڑی بڑی باندھنا**..... **طُرّہ کو بہت اونچا کرنا** بھی تکبر کی نشانی ہے۔

کسی کو کم تر سمجھ کر اُسکے سلام کا جواب نہ دینا یا اُسکے مشورے کو حقیر سمجھنا، پیشانی پر شکنیں رکھنا اور اپنی گردن اور کندھوں کو تناؤ میں رکھنا اور زمین پر اپنے پاؤں سختی سے مار کر چلنا، چال میں اپنے جسم سے بڑائی کا اِظہار کرنا، یہ سب تکبر کی نشانیاں ہیں۔ یہ مناظر ہمارے دفاتر میں اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو تکبر سے بچنے کی نصیحت فرمائی، ''**وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○**'' (لقمٰن ۳۱، آیت ۱۸) ترجمہ ''اور لوگوں سے اپنا رُخ (چہرہ) مت پھیرو (تکبر کی وجہ سے) اور زمین

پراکڑ کر مت چلو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ○'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۳۷) ترجمہ ''اور زمین پر اِترا کر نہ چلا کرو۔ تو نہ پھاڑ سکے گا زمین کو اور نہ ہی پہنچ سکے گا پہاڑوں کی بلندی تک۔ ایسے کام (تکبر کے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک **بہت بُرے** ہیں اور **بالکل ناپسند** ہیں''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ تین [۳] آدمیوں کو قیامت کے روز دَردناک عذاب دے گا، **بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ** (یعنی حکمران)، **مفلس متکبر**، (مشکوٰۃ، مسلم)۔ **اس حدیث شریف میں ہمارے حکمرانوں کیلئے بہت بڑا سبق ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ خوف رَکھتے ہیں۔**

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد ماجد سے اور وہ اپنے دادا صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''متکبرین آدمیوں کو چیونٹیوں کی شکل میں قیامت کے روز جمع کیا جائے گا، ذِلّت ان پر ہر طرف سے چھا رہی ہوگی اور انہیں جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔ انکے اوپر آگ ہی آگ ہوگی۔ انہیں طینۃ الخبال نامی جہنمیوں کی گندگیوں کا نچوڑ پلایا جائے گا''۔ (مشکوٰۃ، ترمذی)

مشورہ:

اگر آپ نے تکبر کو اپنی شخصیت سے نکالنا ہے یہاں تک کہ وہ رائی کے برابر بھی نہ رہے تو آپ ایک کام مسلسل لگاتار روزانہ بلاناغہ کرنے پر تیار ہو جائیں۔ وہ یہ کہ ہر چھوٹے بڑے آدمی کو سلام کریں بلکہ جتنا معاشرے میں آپکو پسا ہوا انسان نظر آتا ہے، اسکو سلام کے ساتھ ہاتھ بھی ملائیں اور اسکی خیریت کا پوچھیں۔ آہستہ آہستہ یہ تکبر کی بیماری آپکی شخصیت سے نکل جائے گی اور اللہ تعالیٰ اسکے بدلے میں اپنا خوف آپکے دِل میں ڈال دے گا۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو قطروں پر جہنم حرام ہے، ایک مجاہد کے خون کا قطرہ اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والی آنکھ کا قطرہ۔ جب آپکا دِل

اس طرح تکبر کی جگہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھر جائے گا تو آپکو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا بھی آئے گا اور آپ انشاء اللہ العزیز جہنم کی آگ سے جو کہ دُنیا کی آگ سے ستر [۷۰] گنا زیادہ ہے، بچ جائیں گے۔ (یہ میرا ذاتی تجربہ ہے)

ایک طویل حدیث شریف سے مختصراً بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک آدمی کو جنت کی بشارت دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سے پوچھا کہ تم کیا عمل کرتے ہو؟ تو اس صحابی نے جواب دیا کہ میں فرائض وغیرہ کے علاوہ تو کچھ نہیں کرتا لیکن ایک بات کا میں ضرور خیال رکھتا ہوں کہ میں دل سے کسی انسان (مسلمان) کو حقیر نہیں سمجھتا (یعنی ہر مسلمان مجھ سے بہتر ہے)۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۳۴: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا وَعَبْدَاللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَا لَمَّا نُزِلَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ طَفِقَ یَطْرَحُ خَمِیْصَةً لَّہٗ عَلٰی وَجْھِہٖ فَاِذَا اغْتَمَّ کَشَفَھَا عَنْ وَجْھِہٖ فَقَالَ وَھُوَ کَذٰلِکَ لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الْیَھُوْدِ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ یُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا ۔
(تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۳۴۱)

ترجمہ : اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرضِ موت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چہرۂ انور پر سیاہ کمبل ڈالتے۔ جب دَم گھٹنے لگتا تو اسکو چہرۂ انور سے ہٹا دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حال میں فرمایا، ''یہود ونصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے اس فعل سے (حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو) متنبہ کررہے تھے۔

نوٹ: نبیوں اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ کرنا شرک ہے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشارہ فرمارَہے ہیں کہ میرے بعد میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالینا۔

ہمارے ہاں بزرگوں کے مزاروں پر جو کچھ ہورہا ہے، وہ آپکے سامنے ہے۔ یہ سراسر شرک ہے۔ غیراللہ کو سجدہ کرنا یا غیراللہ سے مرادیں مانگنا شرکِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو ظلمِ عظیم کہا ہے، ''.....اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○ ''(لقمٰن ۳۱، آیت ۱۳) ترجمہ ''.....یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔

ہر ظلم اندھیرا ہے اور اندھیرے کے دو [۲] نقصانات ہیں، ایک دُنیا کا اور دوسرا آخرت کا۔ دُنیا کا نقصان یہ ہے کہ آپ دُنیا میں صراطِ مستقیم [یعنی ٹھیک ٹھیک راستہ] اپنے روزمرہ کے کام کاج میں دیکھنے سے محروم رہتے ہیں جسکی وجہ سے آپکے کام پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے جاتے ہیں اور آپکی ساری زندگی اسی طرح گزر جاتی ہے جس سے آپ

نے موت تک کوئی دُنیاوی فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ آپکی ساری زندگی مصیبتوں اور پریشانیوں کے لامتناہی سلسلہ میں گزری۔

دوسرا نقصان آخرت کا ہے، ''اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج ..... '' (النساء۴، آیت ۴۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ ہرگز شرک کرنے والے کو نہیں بخشے گا۔ اسکے علاوہ وہ جسکو چاہے، بخش دے گا.....''۔

شرک کی بے شمار اقسام ہیں۔ آج کل ہمارے معاشرے میں قبر پرستی کے علاوہ دوسرا بڑا شرک [اَنا اور رِیا] ہے۔ ہم ہر کام اپنے نفس کی چاہت کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے اپنے نفس کو رَبّ بنا رَکھا ہے۔ اسکی خاطر ہم بڑے بڑے جھگڑے اور قتل و غارت کر بیٹھتے ہیں۔ ایسا رویّہ ہمیں واضح طور پر سیاسی گروہ بندی میں اور مذہبی فرقہ واریت میں ملتا ہے۔

رِیا کا شرک بھی اتنا ہی عام ہے۔ ہم بڑی بڑی رقمیں جو اگر خلوص سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس زندگی میں بھی برکت دے گا اور آخرت میں بھی سات سو [۷۰۰] گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ اَجر دے گا لیکن ہم اس شرک کی وجہ سے سارا اَجر وثواب گنوا بیٹھتے ہیں۔ نہ ہمیں اس دُنیا میں اسکا اَجر ملتا ہے اور نہ آخرت میں۔ **دِکھاوے** کی خاطر جو بھی کام کیا جاتا ہے، اسکا کوئی اَجر نہیں ہے۔ رِیا سے اَدا کی ہوئی نماز بھی قبول نہیں ہوتی، ''**فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ○ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ ○ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُ وْنَ ○**'' (الماعون ۱۰۷، آیت ۴-۶) ترجمہ ''بربادی (ہلاکت) ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نمازوں کا دھیان نہیں کرتے اور جب پڑھتے ہیں تو لوگوں کو دِکھاوے کیلئے پڑھتے ہیں''۔

رِیا چونکہ شرک ہے، اس لئے نماز جیسا عظیم ترین عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔ یہ نقطہ یاد رَکھیں کہ جو کام بھی غیر اللہ کی نیّت سے کیا جائے گا خواہ معمولی ہو یا کوئی بہت بڑا کام، وہ شرک ہوگا۔ اگر اپنے عملوں کا اَجر آخرت میں لینا ہے اور دُنیا میں بھی اس کا فائدہ اُٹھانا ہے تو ہر کام کو **اللہ تعالیٰ کی رَضا کی نیّت** سے کرنے کی عادت ڈالیں۔

سنن ابوداؤد کی ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے وعظ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کیا، اس نے شرک کیا''۔ وعظ (تقریر،

خطاب) تو اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کے لیے کیا جاتا ہے تا کہ ایک طرف ہمارا فرض ادا ہو جائے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا پیغام آگے پہنچانا ہے اور دوسری طرف ہمارے اس عمل سے اللہ جل جلالہٗ راضی ہو جائے کہ ہم نے اس کے پیغام کو پہنچا دیا ہے خواہ لوگ اس کو پسند کریں یا نہ کریں۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے، ''جو شخص رِیا کاری سے نماز پڑھتا ہے، وہ مشرک ہو جاتا ہے اور جو شخص رِیا کاری سے روزہ رکھتا ہے، وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ جو شخص رِیا کاری سے صدقہ دیتا ہے، وہ مشرک ہو جاتا ہے''۔ (مشکوٰۃ عن احمد بواسطہ فضائل تبلیغ از مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۳۵: عَنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ کَانَ حُذَیْفَةُ بِالْمَدَائِنِ فَاسْتَسْقٰی فَاَتَاہُ دَھْقَانٌ بِمَاءٍ فِیْ اَنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ فَرَمَاہُ بِہٖ وَقَالَ اِنِّیْ لَمْ اَرْمِہٖ اِلَّا اَنِّیْ نَھَیْتُہٗ فَلَمْ یَنْتَہِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَلذَّھَبُ وَالْفِضَّةُ وَالْحَرِیْرُ وَالدِّیْبَاجُ ھِیَ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا وَلَکُمْ فِی الْاٰخِرَةِ۔ (تفہیم البخاری، جلد نہم، حدیث ۶۳۵۶)

ترجمہ: حضرت ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدائن میں تھے۔ انہوں نے پانی طلب فرمایا تو ایک زمیندار چاندی کے برتن میں پانی لایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکو پھینک دیا اور فرمایا، ''میں نے اسکو اسلئے پھینکا ہے کہ میں نے اسکو منع کیا تھا اور یہ نہیں رُکا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، 'سونا، چاندی، ریشم اور دیباج دُنیا میں کافروں کیلئے ہیں اور تمہارے لیے یہ آخرت میں ہیں''۔

نوٹ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''سونا اور ریشم مرد کیلئے حرام ہے، چاندی کی انگوٹھی پہنی جاسکتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود چاندی کی انگوٹھی جس پر مہر تھی، پہن رکھی تھی'' (جامع ترمذی)

کافر چونکہ قرآن حکیم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتا، اسکی مرضی ہے جو چاہے کرے۔ اس نے تو اپنے آپکو اللہ تعالیٰ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قوانین [یعنی شریعہ] سے آزاد کیا ہوا ہے۔ اسکا ٹھکانہ تو جہنم ہے۔ (بہت ممکن ہے کہ وہ زمیندار مسلمان نہیں تھا)

سونا چاندی دَراصل کرنسی ہے اور یہ اسی مقصد کیلئے استعمال ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لا فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ○'' (التوبۃ ۹، آیت ۳۴) ترجمہ ''اے ایمان والو! اہل کتاب کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کے مال باطل طریقوں پر کھاتے (اُڑاتے)

رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسکو اللہ تعالیٰ راہ میں خرچ نہیں کرتے (تو اے نبی!) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انہیں ایک دَردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دینار سونے کا سکہ تھا جبکہ درہم چاندی کا۔ عورت کیلئے بھی گو اجازت تو دی گئی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیورات کو کم سے کم پہننے کی ترغیب دی ہے اور زیادہ ہو تو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک عورت اپنی بچی کے ساتھ چلی جارہی ہے اور بچی کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اسکو تم نے آگ کے کنگن پہنائے ہوئے ہیں''، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ ضرورت سے زیادہ اور بے موقع سونے کا استعمال ہورہا ہے تو یہ صدقہ کر دینا چاہیے کیونکہ جو مال ضرورت سے زیادہ ہو اور اس پر زکوٰۃ بھی نہ دی گئی ہو تو وہ دَراصل جہنم کا مال ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونا چاندی کو دولت کی نیّت سے جمع کر کے رَکھنا ناپسند فرمایا ہے۔ ایک دفعہ نماز کے فوراً بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھے اور گھر گئے اور پھر واپس آ گئے تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی عجلت کی وجہ کیا تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر میں سونے کی ایک ٹکیہ پڑی تھی تو مجھے خیال آیا کہ وہ ابھی تک گھر میں موجود ہے تو میں گھر والوں کو حکم دے کے آیا ہوں کہ اسکو فوراً صدقہ کر دو۔ (مشکوٰۃ)

اسی طرح قریب الوصال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ گھر میں کوئی نقدی بھی پڑی ہے؟ تو اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ چھ [٦] درہم پڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نبی اللہ تعالیٰ سے ملنے والا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے گھر سے چھ [٦] درہم نکلیں اور حکم دیا کہ فوراً صدقہ کر دیا جائے۔

یہ ایک مستقل قانونِ فطرت ہے کہ فطرت نے جس مقصد کیلئے کوئی چیز پیدا کی ہے، اسی مقصد کیلئے استعمال کی جائے تو نتائج اچھے

نکلتے ہیں۔ اگر اسکے برعکس استعمال کی جائے تو نتائج اچھے نہیں نکلتے مثلاً تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک بیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ میرا مالک کھیتی میں بھی مجھے جوتتا ہے اور پھر مجھ پر سواری بھی کرتا ہے۔ ہم تو کھیتی کیلئے پیدا کیے گئے ہیں نہ کہ سواری کیلئے۔

سونا چاندی چونکہ کرنسی کیلئے پیدا کیے گئے ہیں، انکو کرنسی کیلئے ہی استعمال کریں تو ملکی معیشت مثبت انداز میں ترقی کرے گی۔ اگر ہم زیب و زیبائش کیلئے استعمال کریں گے تو ہماری معیشت بھی خراب ہو گی اور آخرت بھی۔ اِسلام نے عورت کیلئے سونے چاندی کے زیورات کی اجازت دی ہے لیکن حد مقرر نہیں کی۔ حد کو انسان کی عقل پر چھوڑ دیا ہے کہ موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کریں اور اتنا ہی استعمال کریں جتنی ضرورت ہے۔ اگر ضرورت سے زیادہ استعمال کریں گے تو یہ اسراف میں آ جائے گا جسکی سخت ممانعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا، ''اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ○'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۷)
ترجمہ ''یقیناً اِسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رَب کا ناشکرا ہے''۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ شخص جو اسراف کرتا ہے خواہ سونے چاندی میں یا مساجد، کوٹھیاں اور محلات بنانے میں یا نئی نئی گاڑیاں خریدنے میں یا لباس بنانے میں یا کسی اَور کام میں جیسے کہ دُنیا میں بے شمار کام ہیں جہاں آپ اسراف کر سکتے ہیں تو وہ شخص دَراصل اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ناشکرا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈَرنا چاہیے کہ جب وہ ایسے اسراف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ نعمت واپس بھی لے لیتا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے، وہ اپنے شکم میں جہنم کی آگ بھرتا ہے''۔

ابن ماجہ میں ایک اَور جگہ فرمایا کہ ''چاندی اور سونے کے برتن دُنیا میں کفار کیلئے ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے''۔ اگر ہم سونا چاندی کے برتن استعمال کرنا شروع کر دیں تو سارا سونا چاندی جو کہ دراصل کرنسی ہے، وہ لوگوں کے گھروں میں جمع ہوتا جائے گا حالانکہ یہ ایک اقتصادیات کا اصول ہے کہ کرنسی جتنی زیادہ سرکولیشن (Circulation)

میں ہوگی، معیشت اتنی ہی زیادہ ترقی کرے گی اور مضبوط بنیادوں پر کھڑی ہوگی۔

ریشم نفیس اور نرم کپڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو سخت محنت ومشقت کیلئے پیدا فرمایا ہے اور عورت کو گھر کی خانہ داری اور نسلِ انسانی کی بقا کیلئے۔ سخت مزاج انسان کیلئے نرم ریشم جیسا کپڑا کیسے پسند کیا جاسکتا ہے۔ جب وہ ریشم پہنے گا تو اسکا مزاج بھی نرم ہوتا جائے گا اور اس نرمی کی وجہ سے اسکی گرفت اللہ تعالیٰ کے قوانین پر نرم پڑتی جائے گی۔ یاد رَہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سخت گرمیوں میں بھی اُونی اور موٹے کپڑے پہنا کرتے تھے۔

ریشم پہننے سے اسلئے بھی منع کیا گیا ہے کہ طبیعت میں تکبر آجائے گا اور معاشرے میں مساوات کی بنیاد ختم ہوجائے گی۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں امیر ترین انسان تھے لیکن اپنا لباس اور رہن سہن بالکل سادہ عوام الناس کے ساتھ ملتا جلتا رَکھا ہوا تھا۔ **اللہ تعالیٰ کا منشا ہے کہ زمین پر فساد کی جگہ اَمن ہو۔** ہر وہ بات جو فساد کی طرف لے جاتی ہے، باطل ہے اور ہر باطل فساد ہے۔ سونا، چاندی، ریشم چند گھروں میں استعمال کرنا جبکہ باقی عوام غریب ہوں تو ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے جو کہ بالآخر فساد کا باعث بنتا ہے اور کم حیثیت لوگوں کو چوری اور لوٹ مار کی طرف ترغیب ملتی ہے۔ ایسا کرنے سے مساوات ختم ہوجاتی ہے اور پھر زمین فساد سے بھر جاتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۳۶: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یُحِبُّ التَّیَمُّن فِیْ طُھُوْرہ وَتَرَجُّلِہٖ وَتَنَعُّلِہٖ۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۲۷۹)

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طہارت کرنے، کنگھی کرنے اور جوڑا پہننے میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات میں دائیں کو بائیں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور کی دائیں طرف سے بلایا، ''وَنَادَیْنٰہُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ وَقَرَّبْنٰہُ نَجِیًّا ○'' (مریم ۱۹، آیت ۵۲) ترجمہ ''اور ہم نے انہیں (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) کوہِ طور کی دائیں جانب سے آواز دی اور ہم نے انکو قریب کیا بات کرنے کیلئے''۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں طرف سے (کام کرنے کو) پسند فرماتے تھے۔ پکڑتے بھی دائیں ہاتھ سے، دیتے بھی دائیں ہاتھ سے حتیٰ کہ اپنے تمام کام دائیں طرف سے کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ (سنن نسائی، جلد سوم، حدیث ۵۰۶۵)

تمام اجرامِ فلکی دائیں سے بائیں کو اپنے محور پر اور اپنے مدار میں چل رَہے ہیں۔ سورج، چاند، ستارے جن کا ہمارے ماہرین فلکیات علم رَکھتے ہیں، وہ سب دائیں سے بائیں کو چلتے ہیں حتیٰ کہ ہر دھات کے ایٹم کے خلیے (Electron, Neutron) دائیں سے بائیں مسلسل چکر لگاتے رہتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کا اعمال نامہ **دائیں ہاتھ** میں دیا جائے گا اور جہنمی لوگوں کا اعمال نامہ **بائیں ہاتھ** میں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ لا فَیَقُوْلُ ھَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَہْ ○ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَہْ ○ فَھُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ○ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ○ قُطُوْفُھَا دَانِیَةٌ'' ○ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا

هَنِيْٓـئًا م بِـمَـآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○ وَاَمَّـا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ لا فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ○ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ○ يٰلَيْتَهَـا كَـانَتِ الْقَاضِيَةَ ○ مَـآ اَغْـنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ ○ هَـلَكَ عَنِّىْ سُلْطٰنِيَهْ ○ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ○ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ○ ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَـا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًـا فَـاسْلُكُوْهُ ○ اِنَّـهٗ كَـانَ لَايُؤْمِـنُ بِاللّٰـهِ الْعَـظِيْمِ ○ ''(الحاقہ ۶۹، آیت ۱۹ تا ۳۳) ترجمہ ''اُس وقت جس کا نامہء اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا 'لو دیکھو! پڑھو! میرا نامہء اعمال۔ میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے'۔ پس وہ دل پسند عیش میں ہوگا، عالی مقام جنت میں جس کے پھلوں کے گچھے جھکے پڑ رہے ہوں گے۔ (ایسے لوگوں سے کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو اپنے اِن اعمال کے بدلے جو تم نے گزرے ہوئے دِنوں میں کیے تھے اور جس کا نامہء اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا 'کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش میری وہی موت (جو دنیا میں آئی تھی) فیصلہ کن ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سارا اقتدار ختم ہو گیا'۔ (حکم ہوگا) پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق (پھندہ) ڈال دو پھر اسے جہنم میں جھونک دو پھر اس کو ستر [۷۰] ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ وہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان نہیں لاتا تھا''۔

حدیث شریف میں ہے کہ ''مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھو اور باہر نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے نکالو''۔

کھانے پینے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''دائیں ہاتھ سے کھایا پیا کرو''۔ (سنن ابوداؤد)

علم جو کہ انسانیت کی اعلیٰ ترین صفت ہے، دائیں ہاتھ سے لکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا، ''تَـنْـزِيْـلٌ '' مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَـمِيْـنَ ○ وَلَـوْتَـقَـوَّلَ عَـلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ○ لَاَخَـذْنَـا مِـنْـهُ بِالْيَـمِيْنِ ○ '' (الحاقۃ ۶۹، آیت ۴۳-۴۴-۴۵) ترجمہ ''یہ (قرآن حکیم) ربّ العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے اور اگر یہ (پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہمارے متعلق کچھ (اپنی طرف سے)

باتیں لگا دیتے تو ہم انکا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے''

مختصر یہ ہے کہ جتنے پسندیدہ کام ہیں، انکو دائیں ہاتھ سے کیا جاتا ہے اور جتنے بھی ناپسندیدہ کام ہیں لیکن وہ کرنے ضروری ہوتے ہیں، انکو بائیں ہاتھ یا پاؤں سے کیا جاتا ہے مثلاً غسل خانے میں جائیں تو بایاں پاؤں آگے ہوگا اور استنجا بائیں ہاتھ سے کریں گے وغیرہ وغیرہ

انسان نے دُنیا میں ایک بات قانونِ فطرت کے خلاف بنائی ہوئی ہے۔ وہ وقت کی گھڑی [Watch] ہے۔ اسکی سوئیاں [Hands] بائیں سے دائیں کو چلتی ہیں جبکہ کائنات کی ہر چیز دائرے میں دائیں سے بائیں کو چل رَہی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس گھڑی کو درست کریں کہ اسکی سوئیاں [Hands] دائیں سے بائیں کو چلیں تاکہ یہ فطرت سے مطابقت رَکھے۔

دوسری بات کہ بعض ملکوں میں ٹریفک سڑک کے بائیں جانب چلتی ہے اور بعض ملکوں میں سڑک کے دائیں جانب۔ جو دائیں جانب چل رہے ہیں، وہ فطرت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور جو بائیں جانب چل رَہے ہیں، وہ فطرت کے مخالف چل رَہے ہیں۔ ہمارے ملک میں ٹریفک فطرت کے خلاف ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اسکو درست کر کے سڑک کے دائیں جانب چلنے کا نظام بنائیں۔ گو اس وقت تبدیلی لانا ایک انتہائی مشکل کام ہے لیکن اگر اسکو تبدیل کر دیا جائے اور اس نیّت سے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے دائیں کو بائیں پر فضیلت دی ہے تو اللہ رَبّ العزت کی بے شمار برکات ہمیں مل جائیں گی۔

دُنیا کے اکثر ممالک کی ٹریفک سڑک کی دائیں جانب ہے اور چند ایک ملکوں کی بائیں جانب۔

آپکی رہنمائی کیلئے مختصراً عرض کرتے ہیں کہ مندرجہ ذیل باتوں کو جب کریں تو دائیں طرف کو ملحوظ رَکھیں

[۱] کپڑے پہنیں تو دائیں طرف سے پہننا شروع کریں، اُتاریں تو بائیں طرف سے

[۲] جوتا پہنیں تو پہلے دایاں پھر بایاں پاؤں اور جب اُتاریں تو پہلے بایاں پھر دایاں پاؤں۔ (تفہیم البخاری، جلد نہم، حدیث ۶۳۸۰)

[۳] مسجد میں داخل ہوں، دایاں پاؤں پہلے داخل کریں پھر بایاں اور نکلتے وقت اسکے برعکس۔

[۴] گھر میں، دفتر میں یا کسی کمرے میں داخل ہوں تو ترجیحاً دایاں پاؤں پہلے داخل کریں اور جب باہر نکلیں تو بایاں پاؤں پہلے باہر نکالیں۔

[۵] کچھ لوگ بیٹھے ہوں اور آپ نے سلام کے ساتھ مصافحہ بھی کرنا ہے تو دائیں طرف سے شروع کریں۔

[۶] مجمع کو کھلاتے پلاتے وقت دائیں طرف سے شروع کریں۔

[۷] صدقہ دیں تو دائیں ہاتھ سے دیں۔

[۸] غسل کریں تو دائیں طرف سے شروع کریں۔

[۹] کسی سے کوئی چیز حاصل کر رہے ہوں تو دائیں ہاتھ میں پکڑیں۔

[۱۰] سیڑھی پر چڑھنے کیلئے پہلے دایاں پاؤں آگے رکھیں اور اُترتے وقت پہلے بایاں پاؤں آگے رکھیں۔

[۱۱] اگر دو آدمی ایک جگہ بیٹھے ہیں اور آپ نے دونوں کو کوئی چیز دینی ہے تو دائیں والے کو پہلے دیں اور بائیں والے کو بعد میں خواہ انکا سماجی رُتبہ کچھ بھی ہو۔ (سنن ابوداؤد)

[۱۲] سوتے وقت دائیں کروٹ پر سوئیں۔ (حدیث شریف سے ماخذ)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۳۷: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ کَانَ یَحْتجِرُ حَصِیْرًا بِاللَّیْلِ فَیُصَلِّیْ وَیَبْسُطُ بِالنَّهَارِ فَیَجْلِسُ عَلَیْهِ فَجَعَلَ النَّاسُ یَثُوْبُوْنَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَیُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهٖ حَتّٰی کَثُرُوْا فَاَقْبَلَ فَقَالَ یَاَیُّهَا النَّاسُ خُذُوْ مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِیْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا وَاِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ مَا دَامَ وَاِنْ قَلَّ ۔(تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۳۸۶)

ترجمہ : اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات کو چٹائی سے حجرہ بنا لیتے اور نماز پڑھا کرتے تھے اور دِن میں اسکو بچھا دیتے اور اس پر بیٹھا کرتے تھے۔ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آنے شروع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے لگے حتیٰ کہ (ایک دفعہ) بہت لوگ جمع ہو گئے۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، ''اے لوگو! اعمال میں سے اتنا عمل اختیار کرو جتنی تم میں طاقت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نہیں اُکتاتا بلکہ تم ہی اُکتا جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کو محبوب اعمال وہ ہیں جو ہمیشہ مسلسل کیے جائیں اگرچہ قلیل ہوں''۔

نوٹ: ؎ سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایت یہ ہے کہ جو بھی نیکی کا عمل ہو، اسکو اپنی زندگی کے آخری ایّام تک باقاعدگی سے کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ مستقل عمل کو پسند فرماتا ہے خواہ وہ تھوڑا ہی ہو۔ کسی نیک کام کو زیادہ کرنا اور پھر چھوڑ دینا پسند نہیں کیا گیا کیونکہ زیادہ عمل کرنے سے جب آدمی اُکتا جاتا ہے تو اسکی قبولیت پر اَثر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عمل قبول ہوتا ہے جو خوشی سے کیا جائے خواہ وہ کتنا ہی قلیل ہو اور وہ عمل زیادہ پسندیدہ ہے جو مسلسل کیا جائے بہ نسبت اس عمل کے جو خواہ کتنا ہی بڑا ہو مگر چند دفعہ کر کے چھوڑ دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اپنی طاقت سے زیادہ عمل کرنے سے روکا کرتے تھے۔

اس حدیث شریف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی سادگی بالکل واضح ہوتی ہے کہ ایک ہی چٹائی ہے۔ اسکو کبھی بچھا لیتے ہیں، کبھی اسکو کھڑا کر کے حجرہ بنا لیتے ہیں۔ ذرا غور کریں اور پھر غور کریں کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حقیقتاً سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اپنی زندگی کتنی سادگی سے گزار رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو مال آتا تھا، وہ سب کا سب عوام الناس کی بہبود کیلئے خرچ فرما دیا کرتے تھے۔ وہ اپنی عوام سے اس درجہ محبت رَکھتے تھے کہ انکی ہر تکلیف ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بہت ناگوار گزرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''**لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○**'' (التوبہ ۹، آیت ۱۲۸) ترجمہ ''تم ہی میں سے تمہارے پاس ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے ہیں جن کو تمہاری تکلیف بڑی گراں گزرتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کیلئے بہت حریص ہیں اور مؤمنین پر (جو کہ انکی اُمّت ہے) بڑی شفقت اور مہربانی فرماتے ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرکارِ دو جہاں بھی تھے اور اس وقت مدینہ شریف کی ریاست کے سربراہ بھی تھے۔ وہ خود بھوکے رہتے تھے لیکن اپنی رعایا کو بھوکا دیکھ کر رنج میں ڈوب جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری ہدایت کیلئے بھیجے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں انکو تمہارے لیے زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ بنا کر بھیج رہا ہوں، ''**لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○**'' (الاحزاب ۳۳، آیت ۲۱) ترجمہ ''یقیناً تمہارے لیے اللہ جل شانہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں بہترین نمونہ عِمل موجود ہے۔ اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دِن پر یقین رَکھتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے''۔

پھر غور کریں اور مکرّر غور کریں کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس بہترین نمونہ عِ زندگی کی پیروی وہی کرے گا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رَکھتا ہے۔

ہمارا حال کیا ہے.....؟

اُوپر (مقتدرِ اعلیٰ) سے لے کر معاشرے کے نچلے ترین طبقے تک ہمارا طریقہءِ زندگی کیا ہے؟ جو دولت مند ہیں اور جو اقتدار رَکھتے ہیں، وہ چوبیس [۲۴] گھنٹے عیاشیوں، خرافات اور اسراف میں بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو ان بُرائیوں کے علاوہ واضح طور پر غربا پر بالواسطہ یا بلاواسطہ ظلم کرتے رہتے ہیں۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ آیا **وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے حساب و کتاب پر یقین رَکھتے ہیں؟**

متوسط اور غریب طبقہ بھی اُوپر والوں کی نقل اُتارنے میں پیچھے نہیں رہتا خواہ کتنی ہی بھیک مانگنی پڑے یا اُدھار لینا پڑے جس کو بعد میں واپس کرنے کی بھی طاقت نہیں ہوتی۔ یوں لگتا ہے کہ اس طبقہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا یقین اور آخرت کے حساب پر ایمان تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

یہ ہے ہماری پوری قوم کی حالت۔ اگر ہم واقعتاً اللہ تعالیٰ پر یقین رَکھتے ہیں اور آخرت کے حساب کا خوف کھاتے ہیں تو ہم اپنی دولت کو اس طرح استعمال کریں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو کہ ہمارے لیے نمونہءِ زندگی ہیں، استعمال فرمایا کرتے تھے۔

ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقابلہ تو نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود ایک دفعہ فرمایا کہ ''میں تم جیسا نہیں ہوں۔ میری حالت تم سے مختلف ہے لیکن تم بھلائی کے کام اپنی استطاعت کے مطابق کرتے رہو''۔

ذرا پھر غور کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اگر ہم اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی پر ایمان رَکھتے ہیں اور قیامت کے دِن پر یقین رَکھتے ہیں جہاں نہ دولت کام آئے گی اور نہ ہی اقتدار تو ہمیں اپنی بچی ہوئی دولت عوام الناس کی بھلائی کیلئے خرچ کر دینی چاہیے تو اسکا اَجر اللہ تعالیٰ آپکو اس دُنیا میں بھی عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی۔

آخرت میں اسکا اَجر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپکو جہنم کے عذاب سے بچا کر جنت کی بے پناہ نعمتوں میں داخل فرمائے گا اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کا اَجر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی برکات ہر سمت سے بارش کی طرح آپ پر نازل ہوں گی۔

باوجود غریب ہونے کے ہم اسراف کے بہت عادی بن چکے ہیں۔ رہائشی کالونیوں کا قیام، بڑی بڑی اور پُرتعیش کوٹھیاں بنانے کا رواج، مہنگے شادی گھروں میں شادی کی تقریبات، شادی کے نت نئے طریقوں کی ایجاد، گھروں کی بے جا سجاوٹ، ضرورت سے زیادہ بڑے گھر بنانا، بجلی، گیس اور پانی کا بے جا استعمال، مساجد میں بڑے بڑے قیمتی قالینوں کا بچھایا جانا، مسجدوں میں ماربل، ایلومینیم اور بعض موقعوں پر چراغاں اور نمود ونمائش کے اَور دوسرے طریقے، یہ سب اسراف کے ذرائع ہیں۔ کیا آپ نے قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ نہیں پڑھی، ''اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ○'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۷) ترجمہ ''یقیناً اِسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رَبّ تعالیٰ کا ناشکرا ہے''۔

کیا آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ہمارا راستہ تو دَراصل شیطان کا راستہ ہے؟

جب تک ہم اپنی دولت اللہ تعالیٰ کے راستے میں اُس طریقے کے مطابق خرچ نہیں کریں گے جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ہم اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خسارے میں رہیں گے۔ ؎ **سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی**

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبی ہونے کے ساتھ ساتھ قیامت تک ساری دُنیا کیلئے بادشاہ بن کر آئے۔ قرآن حکیم میں ہے، ''قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا نِ'' (سورۃ الاعراف ۷، آیت ۱۵۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا، تم اعلان فرمادو کہ اے ''تمام دُنیا کے'' انسانو! **میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں**''۔ انہوں نے ساری دُنیا کو ایک ہی شریعت دی۔ اس شریعت کے آئین اور قوانین تمام ممالک کیلئے مساویانہ طور پر یکساں ہیں۔ یہ شریعت صرف مسلمانوں کیلئے ہی نہیں ہے بلکہ یہ تمام غیر مسلم قوموں کیلئے بھی ہے جبکہ وہ اسلام قبول کر کے قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ غیر مسلم قوموں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس بندے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی دعوت کو غور سے سمجھیں اور قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق اپنے اپنے ملک کے آئین اور قوانین بنائیں اور اپنے آپکو جہنم کی

آگ سے بچائیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مَـحَمَّد'' رَّسُوْلُ اللّٰـه '' دِل سے کہہ لے گا، جنت اس کے لیے واجب ہو جائے گی۔ (مشکوٰۃ)

یہ موضوع تو بہت وسیع ہے لیکن میں صرف ایک ہی پہلو پر بات کرنا چاہتا ہوں، شاید ہمیں عقل آ جائے۔

ساری دُنیا کے اس بادشاہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی فقیرانہ تھی۔ انکے گھر میں کبھی بھی تین دِن لگاتار کھانا میسر نہیں ہوا (تفہیم البخاری، جلد ہشتم، حدیث ۵۰۶۶)۔ بچھونا سادہ ترین، کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا ایک گدّا، لباس دو سادہ ترین چادریں، سواری جیسی مل گئی، کبھی گدھے پر، کبھی گھوڑے پر، کبھی اونٹ پر اور کبھی پیدل حالانکہ وہ بلاشبہ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے مالک بنا دیئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''قُـلْ يٰٓاَيُّهَـا النَّـاسُ اِنِّـى رَسُـوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا '' (الاعراف ۷، آیت ۱۵۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا، کہہ دو کہ اے ''تمام دُنیا کے'' انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مال کی کوئی کمی نہیں رَکھی تھی۔ ہدایہ و تحائف کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ مالِ غنیمت مشرق ومغرب سے کثیر مقدار میں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ مخصوص تھا جو بذاتِ خود ایک بہت بڑی رقم تھی لیکن گھر جائیں تو کبھی کھانے پینے کو ملتا تھا اور کبھی نہیں۔ ساری کی ساری دولت عوام الناس کی بہبود کیلئے استعمال کر دی جاتی تھی۔

کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ یہ رویّہ ساری دُنیا کے سربراہ ہونے کے باوجود ہمیں کیا پیغام دیتا ہے؟ انسانی تاریخ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ صرف ایک ہی ذات ایسی ہوتی ہے جو خود بھوکی رَہ کر دوسرے کو کھلاتی ہے، وہ ہے باپ۔ باپ ایک ایسا شخص ہے کہ خود بھوکا رہے گا لیکن اپنے بچوں کو بھوکا نہیں رَکھے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکت اپنی اُمّت کیلئے باپ سے بھی زیادہ شفقت رَکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا، ''لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْل'' مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْز'' عَـلَيْـهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْص'' عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْف'' رَّحِيْم'' ○ ''

(التوبہ ۹، آیت ۱۲۸) ترجمہ ''تم ہی میں سے تمہارے پاس ایک ایسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ گئے ہیں جن کو تمہاری تکلیف بڑی گراں گزرتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کیلئے بہت حریص ہیں اور مؤمنین پر (جو کہ انکی اُمّت ہے) بڑی شفقت اور مہربانی فرماتے ہیں''۔ وہ حقیقتاً اپنی اُمّت کے باپ تھے۔ انکی پوری زندگی اپنی اُمّت کی فلاح کی فکر میں گزری ہے۔ یہ صفت باپ کی ہی ہوتی ہے کہ باپ اپنی اتنی فکر نہیں کرتا جتنی وہ اپنی اولاد کی کرتا ہے۔

جو لیڈر باپ نہیں بن سکتا، وہ دَراصل صحیح لیڈر نہیں ہے۔ یہ صحیح لیڈر کی کسوٹی ہے۔ آپ اسکے رویّے اور رہن سہن کو ذرا غور سے دیکھیں۔ اگر وہ اپنے ساتھیوں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتا ہے تو وہ باپ کی صفت رَکھتا ہے اور وہ صحیح لیڈر ہے۔ اگر وہ اپنے آپکو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے خواہ وہ کتنا ہی باتوں میں اپنے ساتھیوں کو اپنے خلوص کا یقین دلائے، وہ صحیح لیڈر نہیں بن سکتا جب تک وہ باپ کے روپ میں عملی طور پر نہیں آتا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے ساتھیوں کی باپ کی طرح خدمت نہیں کرتا تو وہ لیڈر نہیں بلکہ انسانی لباس میں بھیڑیا ہے۔

اب آپ ذرا اپنی پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کے نمائندوں کی طرف دیکھیں۔ کیا آپکی زندگی میں ہمارا کوئی نمائندہ یعنی لیڈر ایسا آیا ہے جس نے باپ کی طرح اپنے عوام، جنکی وہ نمائندگی کر رہا ہے، رویہ رَکھا ہو؟ مجھے تو ساٹھ [۶۰] سالوں میں ایک بھی نظر نہیں آیا۔ اگر اس قوم میں کسی نے باپ بننے کا حق اَدا کیا ہے تو وہ حضرت قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، باقی سب بھیڑیے نظر آئے ہیں۔

آپ خود غور کریں کہ جب آپ اپنے لیڈر کا چناؤ کرتے ہیں تو کیا آپ بھیڑیا پسند کریں گے یا باپ؟ ہم میں سے ہر کوئی کسی کا بیٹا ہے اور کسی کا باپ۔ کیا آپکو باپ کی شفقت اور بھیڑیے کے خوف میں فرق محسوس نہیں ہوتا؟ اگر فرق نہیں محسوس ہوتا تو پھر یاد رَکھیں بھیڑیا آپکو ہی نہیں، آپکے پورے خاندان اور آپکی پوری قوم کو بڑے آرام سے ہضم کر جائے گا اور آپکو اسکا علم بھی نہیں ہوگا۔

اب یہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں کہ آپ کس کا چناؤ کرنا چاہتے ہیں؟ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

حدیث ۳۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ'' اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ؟ قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ اَبُوْکَ۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۴۸۹)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ایک آدمی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! لوگوں میں کون سب سے زیادہ میرے حُسنِ سلوک کا مستحق ہے؟'' فرمایا، ''تیری ماں''۔ عرض کیا، ''پھر کون؟'' فرمایا، ''تیری ماں''۔ پھر عرض کیا، ''پھر کون؟'' فرمایا، ''تیرا والد''۔

نوٹ: اولاد پر ماں کا حق والد سے دُگنا ہے۔ جتنی مشقت ماں اُٹھاتی ہے کہ بچے کی صحیح پرورش ہو، اتنی مشقت والد نہیں اُٹھاتا۔ حمل کے دوران نو [۹] ماہ تک ہر قسم کی تکلیف برداشت کرتی ہے پھر بچے کی پیدائش پر سخت خطرات کا سامنا کرتی ہے جس میں بعض دفعہ ماں، بچے یا پھر دونوں کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ پھر پیدائش کے فوری بعد کچھ مہینوں تک ماں کو کئی عارضے لاحق ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح بچے کو ہر وقت کوئی نہ کوئی بیماری آ سکتی ہے جسکی دیکھ بھال کرنے کیلئے سب سے زیادہ ماں ہی دھیان کرتی ہے۔

پھر جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے، اسکو ہر قسم کی ٹریننگ، کھلانا پلانا، چلنا سکھانا اور پیشاب پاخانہ سب ماں ہی کے ذِمّہ ہے پھر اسکا اگلا مرحلہ اسکی تعلیم پر توجہ دینا، اسکے اخلاق کے رُخ پر نگاہ رَکھنا، اسکی تربیت کرتے رہنا اور اسکی ہر حرکت کو نگاہ میں رَکھنا، اس پر بھی والدہ زیادہ اور والد کم وقت دیتا ہے۔

کسی نے سچ ہی کہا کہ *The hands that rock the cradle rule the world*

ترجمہ: پنگوڑھا جھلانے والے ہاتھ ہی دُنیا پر حکمرانی کرتے ہیں یعنی ماں کی تربیت ہی اپنے بیٹے کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ حکمران بن سکے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس

جہاد میں شرکت کی اجازت کیلئے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ ''کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟'' اس نے عرض کی، ''جی ہاں!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جاؤ! اپنی والدہ کی خدمت کرو (یہی تمہارا جہاد ہے)''۔

بچوں کی تربیت میں والدہ کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان واقعات سے واضح ہو جاتا ہے۔

روایت ہے کہ مولانا شوکت علی جوہر جب بچے تھے تو گھر کے ملازم کی ایک دفعہ بہت ڈانٹ ڈپٹ کی۔ والدہ کو اس بات کا علم ہوا تو شوکت علی جوہر کو کہنے لگیں کہ بیٹا! یہ تم نے سخت غلطی کی ہے، وہ تم سے بڑا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ تم اسکی عزت کرو۔ اب جاؤ! میرے پاس اس وقت آنا جب تم اس سے معافی مانگ لو۔ مولانا شوکت علی جوہر اسی وقت ملازم کے پاس گئے اور اپنی حرکت کی معافی مانگی۔

والدہ محترمہ کے دو [۲] حقوق:

اگر ہم ذرا غور کریں تو یہ فطرۃً دو [۲] حقوق بنتے ہیں۔ ایک حق والدہ محترمہ کا یہ کہ وہ بچے کی پیدائش اور اس کی طبعی پرورش میں مصیبتیں جھیلتی ہے۔ دوسرا حق یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لیے معلّمہ کا کردار اَدا کرتی ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ معلّم (یا معلّمہ) والد (یا والدہ) کے مانند ہوتا ہے۔ یہ یاد رَہے کہ والدین کا حق اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد رَکھا ہے، سوائے ان مقامات کے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکیں

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''**وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝**'' (لقمٰن ۳۱، آیت ۱۳-۱۴)

ترجمہ ''(یاد رَکھیں) جب حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت فرما رہے تھے تو انہوں نے فرمایا، ''بیٹا! خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اسکی ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رَکھا اور دو [۲] سال اسکا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لیے ہم نے اسکو [یعنی انسان کو] نصیحت فرمائی کہ) میرا

شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر بجالاؤ۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے'' (یعنی ہم تم سے پوچھیں گے قیامت کے دِن کہ ان نصیحتوں پر تم نے کتنا عمل کیا اور کتنی غفلت کی اور اسکے حساب سے ہم تمہیں جزا یا سزا دیں گے)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ میں حضرت لقمان علیہ السلام کے ذریعے ہمیں اطلاع فرمائی کہ شرک ظلمِ عظیم ہے۔ اسکے فوراً بعد ہی والدین کا ذِکر فرمایا کہ ان سے حسنِ سلوک کیا جائے اور پھر والدہ کا علیحدہ ذِکر فرمایا کہ وہ کتنی تکلیفوں سے اپنے بچے کو جنم دیتی ہے اور دودھ پلاتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد انسان کیلئے جس مخلوق کا حق بنتا ہے، وہ پہلے والدہ ہے پھر والد۔ انکے بعد دوسرے قریبی رشتہ دار آتے ہیں جنکا قرآن حکیم میں کئی جگہ ذِکر موجود ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث۳۹: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَکْبَرِ الْکَبَائِرِ اَنْ یَلْعَنَ الرَجُلُ وَالِدَیْہِ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَکَیْفَ یَلْعَنُ الرَجُلُ وَالِدَیْہِ قَالَ یَسُبُّ اَبَا الرَجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاہُ وَیَسُبُّ اُمَّہٗ فَیَسُبُّ اُمَّہٗ۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث۶۴۹۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی اپنے والدین پر لعنت کرے''۔ عرض کیا گیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کوئی اپنے والدین پر لعنت کیسے کرسکتا ہے؟'' فرمایا، ''آدمی کسی کے والد کو گالی دے تو وہ اسکے والد کو گالی دے گا اور وہ کسی کی ماں کو گالی دے تو وہ اسکی ماں کو گالی دے گا''۔

نوٹ: یہ تعلیم کا بہترین انداز ہے جو کہ واقعتاً درست ہے اور تعلیمی لحاظ سے بھی یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تعلیم یہ فرمارہے ہیں کہ دوسرے انسان کو نہ تو کسی قسم کی گالی دی جائے اور نہ ہی اس سے غیر شائستہ بات کی جائے کیونکہ جواسکا ردِّعمل ہوگا، وہ خود ہی اس پر لوٹ آئے گا لہٰذا اگر آپ کسی سے ناشائستگی کا مظاہرہ کررہے ہیں تو دوسرا شخص بھی جب آپ سے ناشائستگی کا مظاہرہ کرے گا تو وہ ناشائستگی دَراصل آپکی وجہ سے ہی آپ پر واپس لوٹے گی۔

یہ آفاقی سچائی (Universal Truth) جو قرآن حکیم میں بیان کردی گئی ہے، ''وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًام بِغَیْرِ عِلْمٍ ط کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَھُمْ ص ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ مَّرْجِعُھُمْ فَیُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○'' (الانعام۶، آیت۱۰۸) ترجمہ ''تم لوگ ان بُتوں کو گالی نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا مشرکین پکارتے ہیں کیونکہ وہ جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے۔ اس طرح ہم نے ہر فرقہ کے غلط اعمال کو ان کے لیے خوشنما بنا رکھا ہے۔ بالآخر پہنچنا تو انہوں نے ہمارے پاس ہی ہے پھر ہم ان کو ان

کے غلط اعمال کی حقیقت بتادیں گے''۔

غیر شائستہ زبان اور رویہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ دُنیا میں اس سے بے شمار جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں اور آخرت میں اس پر سزا بھی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا، ''**فَقُوْلَا لَه' قَوْلًا لَّيِّناً لَّعَلَّه' يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى** ○ ''(طٰہٰ ۲۰، آیت ۴۴) ترجمہ ''(اے موسیٰ [علیہ السلام])! فرعون سے نرمی (شائستگی) سے بات کرنا، بہت ممکن ہے کہ وہ نصیحت پکڑے یا وہ اللہ تعالیٰ کا خوف دِل میں پیدا کرلے'' (یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے)

حضرت معرور کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوپر ایک چادر دیکھی اور اسی طرح کی چادر ان کے غلام کے زیب تن تھی۔ میں نے کہا، اگر آپ اسے لے لیتے تو آپکا جوڑا مکمل ہوجاتا اور اسے دوسرا کپڑا دے دیتے۔ انہوں نے فرمایا کہ ''میرے اور اس آدمی کے درمیان ایک راز کی بات ہے کہ اسکی والدہ عجمی تھی، میں نے اسکو گالی دی تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرا ذِکر کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، کیا تم نے فلاں کو گالی دی؟ میں نے کہا، ہاں! فرمایا، کیا تم نے اسکی والدہ کو گالی دی؟ میں نے کہا، ہاں! فرمایا، تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کا اَثر موجود ہے۔ میں عرض گزار ہوا کہ کیا اس بڑھاپے کی عمر میں بھی؟ فرمایا، ہاں! وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کردیا ہے پس جسکو اللہ تعالیٰ کسی کا ماتحت کرے تو جو آپ کھائے، اس میں سے کھلانا چاہیے اور جو آپ پہنے، اس میں سے پہنانا چاہیے اور اسے ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو وہ کرنہ سکے اور اگر کوئی مشکل کام کروائے تو چاہیے کہ خود بھی اسکی مدد کرے۔ (بخاری شریف ترجمہ از مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری، حدیث ۶۰۵۰)

ہم میں بات کرتے وقت تکیہ کلام کے طور پر گالی نکال دینا بہت عام ہے۔ یہ ہماری **بداخلاقی** اور **غیر سنجیدگی** کا مظہر ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ تکیہ کلام میں بھی اور نہ ہی مذاق کے طور پر کسی کو گالی دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی میں نبوت سے پہلے اور نہ ہی نبوت کے بعد ایک دفعہ بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو گالی دی ہو یا ناشائستہ الفاظ استعمال فرمائے ہوں حتیٰ کہ وہ لوگ جو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے درپے تھے، انکے متعلق بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی غیر شائستہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ اگر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے **نقش قدم** پر چل کر اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایک مقبول شخصیت بننا ہے تو اپنی زبان اور رویّہ میں شائستگی کی پرورش کرتے رہیں۔

گالی دینا بداخلاقی ہے اور غصّے کو ضبط کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اخلاق میں اچھا ہے''۔ آپ ذرا اپنے سیاسی لیڈروں کے اخلاق پر نظر دوڑائیں کہ وہ کس معیار پر اُترتے ہیں حالانکہ یہ ایک آفاقی سچائی (Universsal Truth) ہے کہ انسان معاشرے میں جتنا زیادہ بلند ہوتا ہے، معاشرہ اور اللہ تعالیٰ اتنی ہی زیادہ توقع رَکھتے ہیں کہ اسکے اخلاق بہترین ہوں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا، ''**وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ** ○'' (القلم ۶۸، آیت ۴) ترجمہ ''اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہیں''۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

○.....○.....○

حدیث ۴۰: عَنْ عَبْدِالرَحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَلاَ اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ؟ قُلْنَا بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَکَانَ مُتَّکِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ اَلاَ وَقَوْلُ الزُّوْرِ وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ مَرَّتَیْنِ فَمَا زَالَ یَقُوْلُھَا حَتّٰی قُلْتُ لَایَسْکُتُ۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۴۹۴)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کیا میں تم کو بہت بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟'' ہم نے عرض کیا، ''کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ضرور ہمیں یہ خبر دیں''۔ فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا، والدین کو خوش نہ رکھنا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا، ''جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی دینا''۔ یہ مسلسل فرماتے رہے حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش نہ ہوں گے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار [۴] بڑے گناہوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔

[۱] کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا

[۲] والدین کو ناخوش رکھنا

[۳] جھوٹ بولنا

[۴] جھوٹی گواہی دینا

قرآن کریم میں شرک کو ظلمِ عظیم کہا گیا ہے، اس گناہ کی معافی نہیں رکھی گئی۔ اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو چاہے تو معاف فرمادے گا، ''اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج'' (النساء۴، آیت ۴۸) ترجمہ ''اللہ

تعالیٰ ہرگز شرک کرنے والے کو نہیں بخشے گا۔ اسکے علاوہ وہ جسکو چاہے، بخش دے گا''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد والدین کا حق رَکھا ہے، ''**وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا**'' (النساء۴، آیت۳۶) ترجمہ ''اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ اور اپنے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک اختیار کرو'' جیسے اللہ تعالیٰ کا حق مارنا (یعنی شرک کرنا)، اسی طرح والدین کے حقوق کا اَدا نہ کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔

والدین کے بنیادی حقوق یہ ہیں کہ

[۱] انکی خدمت کی جائے۔

[۲] انکا حکم مانا جائے تمام نیک کاموں میں اور بُرائی کے کاموں میں انکے حکم کو بڑی شائستگی سے ٹال دیا جائے اور ساتھ ہی انکو انکے مرتبے کا لحاظ رَکھتے ہوئے نیکی کی بات کہہ دی جائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد آزر کو فرمایا تھا کہ ''کیا آپ بُتوں کو پوجتے ہیں؟ میں تو آپکو اور آپکی قوم کو غلط راستے پر دیکھ رَہا ہوں'' ''**وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝**'' (الانعام۶، آیت۷۴)

یہاں بین السطور میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد صاحب آزر آپکو اپنے مذہب کی طرف لانے میں کچھ دباؤ ڈال رَہے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ترکی بہ ترکی جواب دیا لیکن بڑا ہی شائستہ رویّہ اختیار کیا اور انکی بات ہرگز نہ مانی۔

[۳] ان سے حُسنِ سلوک کیا جائے۔ آپکے رویّے سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ آپ دِل سے ان سے محبت رَکھتے ہیں اور ان سے اونچی آواز یا تُرش روی سے کلام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

[۴] انکے ساتھ ایسے بحث نہ کی جائے جیسے آدمی اپنے دوستوں سے بحث کرتا ہے بلکہ جو کچھ بھی وہ کہہ رہے ہیں خواہ آپ ان سے اتفاق کریں یا نہ کریں، شرک اور معصیت کے علاوہ انکو مت ٹوکیں۔

[۵] گھر کے ماحول کے مطابق ان سے کبھی بھی بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے۔ ہر وقت انکی آسائش، انکی خوراک، انکے جذبات، انکی پسند اور ناپسند کا خیال دِل میں رہنا چاہیے اور ان سے جب بھی بات کریں عزت اور احترام سے بات کریں خواہ کسی بات پر انکا اور آپکا ایک وسیع اختلاف موجود ہو۔ اگر انکی بات ماننے میں کوئی دِینی یا دُنیاوی نقصان آپکی نظر میں نہیں ہے تو انکی غلط بات کو مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یاد رَکھیں کہ محبت کے جذبات دِل سے ایسے نکلا کرتے ہیں جیسے ٹیلی ویژن کے ریموٹ کنٹرول سے لیزر شعاعیں نکلتی ہیں۔ آپ ان شعاعوں کو دیکھ تو نہیں سکتے لیکن ان کا اَثر ٹیلی ویژن پر آپ کو نظر آجاتا ہے۔ میں یہ وثوق سے کہتا ہوں، اس میں میرا ذاتی تجربہ بھی ہے اور بہت سے تاریخی واقعات بھی میں نے پڑھے ہیں کہ محبت کرنے والا انسان، اس انسان کی طرف جس سے وہ محبت کر رہا ہوتا ہے، خود بخود کھنچا چلا آتا ہے۔ اگر آپ خلوصِ نیّت سے اپنے والدین سے محبت رَکھتے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ والدین آپ سے بہ نسبت آپ کے زیادہ محبت نہ رَکھتے ہوں۔ وہ تو اس وقت بھی آپ سے محبت رَکھتے ہیں جب آپ کسی کام کے نہیں ہوتے، نہ دُنیا کے، نہ دِین کے اور نہ گھر کیلئے آپ کا وجود مفید ہوتا ہے تو اگر آپ ان سے محبت نہیں کریں گے تو نقصان آپ کو اُٹھانا پڑے گا، ان کو نہیں۔ لہٰذا موجودہ زمانے کی بے جا آزادی کے ماحول سے متأثر ہو کر اپنے والدین کو کسی طرح بھی ناراض کرنے کی کوشش نہ کریں۔ **والدین کی رَضا اللہ تعالیٰ کی رَضا ہے**۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیا تو پھر نہ دُنیا میں آپ کا کوئی مددگار ہوگا، نہ آخرت میں۔

جھوٹ بولنے اور جھوٹی گواہی کے متعلق:

ہمارے ہاں عدالتوں اور عدالتوں سے باہر اکثر موقع پر جھوٹی بات کرنا اور جھوٹی گواہی دینا ایک رواج سا بن گیا ہے۔ ہمارے نزدیک سچ بولنا ایک نایاب چیز ہے۔ جہاں ہمیں کوئی فائدہ بھی نظر نہیں آتا، ہم پھر بھی سیدھی اور سچی بات کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اگر ہمیں کسی مقدمہ میں گواہی دینے کی ضرورت پڑ جائے تو ہم پر اس

بات کا ذرا بھی اَثر نہیں ہوتا کہ جھوٹی گواہی دینے سے ہم اپنا ہی نقصان کررَہے ہیں۔ ہر بڑا گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتا اور ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ ایک مؤمن چوری بھی کرسکتا ہے اور بدکاری بھی کرسکتا ہے لیکن وہ جھوٹ نہیں بول سکتا'' کیونکہ اگر وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں جھوٹ بولتا جارہا ہے تو اس نے کلمہ بھی جھوٹا ہی پڑھا ہوگا۔ (وہ دَراصل منافق ہوگا)

ایک دوسری حدیث شریف میں آیا کہ ''کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ مذاق میں بھی جھوٹ کو چھوڑ نہ دے اور سچا ہونے کے باوجود جھگڑے کو ترک نہ کردے''۔ (احمد)

پوری کائنات عدل پر قائم ہے اور ملک کی ترقی عدل سے مشروط ہے۔ عدل کی بنیاد سچ بولنے پر ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''.....**وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى** ج.....'' (الانعام ۶، آیت ۱۵۲) ترجمہ ''اور جب بات کرو (یعنی گواہی دو) تو عدل سے کرو (یعنی سچ بولو) اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو'' (جسکے خلاف تم گواہی دے رہے ہو)۔ جھوٹی گواہی دینے سے عدل کا قائم کرنا ناممکن ہے پھر پورے معاشرے میں ایک ظالمانہ نظام بن جاتا ہے۔ یہی حال آجکل ہمارے معاشرے کا ہے۔

سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا اور پھر سچ بولنا آسان کام نہیں ہے۔ نبیوں کے بعد ان لوگوں کا مرتبہ ہے جو اپنی زندگی میں ہر وقت سچ بولتے ہیں، سچ کی تصدیق کرتے ہیں، اپنے قول اور عمل سے سچ پر ڈَٹے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنی جان بھی سچ پر قربان کردیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو [**الصدیق**] کہا گیا ہے۔ قیامت میں دَرجہ بندی اس طرح ہوگی کہ نبیوں کا مقام سب سے بلند ہوگا پھر صدیقین کا پھر شہداء کا اور پھر عام صالحین کا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا، ''**وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ** ج **وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا** ○''(النساء ۴، آیت ۶۹) ترجمہ ''جس نے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی تو وہ ان لوگوں کا ساتھی بن جائے گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین اور وہ اسکے کیسے بہترین ساتھی ہوں گے''۔

اس آیت مبارکہ سے یہ واضح نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر قیامت کے روز سچ بولنے والے کا انجام یہ ہے کہ وہ نبیوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا تو پھر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ جو شخص اسکے برعکس اپنی زبان کھولے گا یعنی جھوٹ بولے گا تو اسکا انجام کیا ہوگا۔ صاف ظاہر ہے کہ اسکا انجام نمرود، شدّاد، فرعون اور قارون وغیرہ کے ساتھ ہوگا کیونکہ وہ سب جھوٹے لوگ تھے اور انکا مقام قرآن حکیم کے مطابق جہنم ہے۔

اب یہ فیصلہ ہم نے کرنا ہے کہ ہم ان دونوں گروہوں میں سے کس کے ساتھی بننا چاہتے ہیں؟

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۴۱: عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ يَرْفَعُهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ السَّاعِيْ عَلَى الْاِرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكَالَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ۔
(تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۵۲۳)

ترجمہ : حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوع حدیث ذکر کرتے ہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''بیوہ عورتوں اور مسکینوں کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے اور اس شخص جیسا ہے جو دِن میں روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے یعنی تہجد پڑھتا ہے''۔

نوٹ: محتاج کی ضروریات کی دیکھ بھال نہ کرنا اللہ رَبّ العزت کے نزدیک بہت ہی ناپسندیدہ عمل ہے۔ بیوہ عورت (اور یتیم) اور مسکین مدد کے محتاج ہوتے ہیں۔ ہر انسان کا انفرادی فرض اور معاشرے کا اجتماعی فرض ہے کہ ایسے اشخاص کی نشاندہی ہونے پر مدد کریں۔ **حکمران کی بنیادی ذمّہ داریوں میں سے ایک یہ بھی ہے** کہ وہ اپنی عملداری میں ہر قسم کے محتاجوں جن میں بیوہ عورتیں، یتیم اور مسکین شامل ہیں، کی ضروریات کو بروقت پورا کرنے کا انتظام کرے۔

اللہ تعالیٰ نے انکی مدد نہ کرنے پر اپنی ناپسندیدگی کا اِظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے،
''كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ○ وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ○ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ○ وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ○'' (الفجر ۸۹، آیت ۱۷ تا ۲۰) ترجمہ ''ہرگز نہیں (اے کافرو! تمہارے خیالات اور دُنیا کے معیار غلط ہیں مثلاً جیسا ابھی ہم نے بیان کیا، تمہارے نزدیک دولت مند معزز ہے اور غریب ذلیل ہیں۔ ہم نے عزت اور ذلت کا معیار اخلاق پر رکھا ہے۔ تم اخلاق میں تنگدست ہو یعنی بہت ہی پستی کی طرف مائل ہو) مثلاً تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے (نہ تم خود کھلاتے ہو اور نہ ہی دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہو) اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کی محبت میں بُری طرح گرفتار ہو''..... یہ ہیں تمہارے اخلاق! خواہ تمہارے پاس

دولت کتنی ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان بُرے اخلاق کے ساتھ اس دولت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نزدیک اس دولت کی قدر و قیمت ہے جو معاشرے کے محتاج لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کی جائے۔

بیوہ (اور یتیم و محروم) اور مسکین (اور سائل) کا اپنے بہن بھائیوں (معاشرے کا ہر انسان بہن بھائی ہے) سے مدد لینا دَراصل انکا قانونی حق ہے اور حکومتِ وقت کو مجبور کرنا کہ انکی ضروریات کو پورا کیا جائے، یہ بھی انکا بنیادی حق ہے۔ قرآن کریم میں اس حق کو اس آیت مبارکہ میں نمایاں کیا ہے، ''**وَفِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ○**'' (الذّٰریٰت ۵۱، آیت ۱۹) ترجمہ ''اور ان (یعنی دولت مندوں) کے مال میں سائل اور محتاجوں (بیوہ، یتیم، مسکین، غریب اور ضرورتمند) کا حق ہے''۔ ذرا غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے صاف نشاندہی فرمادی ہے کہ جب تم کسی ضرورتمند کی مدد کرتے ہو تو تم کوئی اس پر احسان نہیں کررَہے بلکہ تم صرف اسکا حق اَدا کررَہے ہو اور یاد رَکھیے! اگر ہم انکا حق اَدا نہیں کریں گے تو ہم سے قیامت کے روز پوچھا جائے گا۔

انفرادی طور پر اہل ثروت لوگ مسکین کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ کئی رفاہِ عامہ کی تنظیمیں یعنی این جی اوز (NGO's) بھی یہ کام سرانجام دیتی ہیں لیکن افسوس کی بات ہے کہ **حکومت جسکی اوّلین ترجیحات** میں کمزوروں کے حقوق کی حفاظت ہوتا ہے، اسکے پاس معاشرے کے معذور محتاج، محروم اور دوسرے غربت میں پسے ہوئے لوگوں کی دیکھ بھال کا **کوئی شعور نہیں ہے**۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کمزور لوگوں کا حق جو بیت المال میں یعنی ملکی خزانوں میں ہوتا ہے، وہ **حکمران خود کھا جاتے ہیں** اور پھر بھی انکا پیٹ نہیں بھرتا۔ انکا پیٹ اس وقت بھرے گا جب یہ جہنم میں جا کر گرم پانی، زخموں کی پیپ اور تھوہر کے درخت سے اپنی پیاس بجھانے اور بھوک مٹانے کی کوشش کریں گے۔ قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے، ''**ثُمَّ اِنَّكُمۡ اَيُّهَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُكَذِّبُوۡنَ ○ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ○ فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ○ فَشٰرِبُوۡنَ عَلَيۡهِ مِنَ الۡحَمِيۡمِ ○ فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡهِيۡمِ ○ هٰذَا نُزُلُهُمۡ يَوۡمَ الدِّيۡنِ ○**'' (الواقعہ ۵۶، آیات ۵۱تا۵۶) ترجمہ ''تم کو اے غلط کام کرنے والو اور (آخرت) کو جھٹلانے والو (یا یاد نہ رَکھنے والو)! تمہیں

(جہنم میں) زقوم کے درخت سے کھانا ملے گا اور پینے کیلئے کھولتا پانی جوتم ایسے پیو گے جیسے پیاسا اونٹ۔ یہ ہوگی دعوت انکی قیامت کے دِن''۔ اللہ رَبّ العزت قرآن حکیم میں فرماتا ہے،''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ○''(النساء۴، آیت ۸۷) ترجمہ ''اور کون اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات میں سچا ہے''۔ اگر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کائنات میں کوئی سچا نہیں ہے تو اے حکمرانو! کیا تمہیں سورۂ واقعہ کی یہ آیات مبارکہ پڑھ کر بھی اللہ تعالیٰ کا خوف تمہارے دِل میں پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس رویّے سے بچائے جسکی پاداش میں جہنم میں یہ خوراک ملے گی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں معاف فرما اور ہم پر رحم فرما، اے اللہ تعالیٰ! ہمیں معاف فرما اور ہم پر رحم فرما۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۴۲: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرَسًا فَاَکَلَ مِنْہُ اِنْسَانٌ اَوْ دَابَّۃٌ اِلَّا کَانَ لَہٗ بِہٖ صَدَقَۃً۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۵۳۰)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مسلمان جو بھی پھل دار درخت لگاتا ہے اور اس سے انسان، حیوانات کھاتے ہیں تو وہ اسکا صدقہ ہوجاتا ہے''۔

نوٹ: یہ حدیث شریف زراعت کو فروغ دینے کی ترغیب دیتی ہے۔ انسان کیلئے خوراک کا مسئلہ حل کرنا ہمیشہ سے ہی مشکل رَہا ہے۔ آج بھی دُنیا میں باوجود اتنی سائنسی ترقی کے خوراک کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ بیسویں صدی کے اختتام پر اور اس صدی کی ابتداء میں افریقہ کے چند ملکوں میں سخت قحط سالی کا زمانہ گزر چکا ہے۔

ہر زمانہ میں غذائی قلّت کو پورا کرنے کیلئے انسان نے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں لیکن قلّت ختم نہیں ہوتی۔ اسکی ظاہری وجہ یہ ہے کہ انسانی شرح پیدائش زرعی شرح پیدائش سے نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ اس فرق کو ختم کرنے کیلئے موجودہ سائنس نے ضبط ولادت کا طریقہ نکالا ہے جو کہ تمام مغربی ممالک میں رائج ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی اس فرق کو ختم نہیں کرسکا۔ ضبطِ ولادت دَراصل ایک غیر فطری طریقہ ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ ص'' (البقرۃ ۲، آیت ۲۲۳) ترجمہ ''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں''۔ کوئی بے وقوف سے بے وقوف کسان بھی اپنے کھیت میں بیج ڈالنے سے نہیں رُکتا اور نہ ہی فصل کو تلف کرنے کا سوچتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اور واضح الفاظ میں یہ فرمایا، ''وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ ط اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا ○'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۳۱) ترجمہ ''اپنی اولاد کو غربت کے ڈر کی وجہ سے قتل نہ کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیں گے جیسے ہم تم کو دیتے ہیں۔ ان کا قتل حقیقتاً بہت بڑی خطا ہے''۔

اس زمین پر اور پوری کائنات میں جہاں جہاں بھی ایسی مخلوق رہتی ہے جسکی زندگی کھانے پینے پر منحصر ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان تمام کی خوراک کا ذمّہ خود اپنے پر لیا ہوا ہے۔ اسکے کچھ بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے انسان کے مال میں زیادتی ہوتی ہے اور صدقہ روکنے سے (یعنی بخل کرنے یا سود لینے سے) مال میں کمی ہوتی ہے۔ بیشتر پرندے اور چوپائے جو مالک کی اجازت کے بغیر اسکے کھیت سے کھا پی جاتے ہیں تو رحمٰن اسکے بدلے میں زمیندار کو صدقے کا ثواب بھی دے گا اور اس دُنیا میں اسکا رزق بھی ترقی کرے گا۔

عرب ممالک اور یورپ میں اگر کوئی انسان باغ میں داخل ہو کر پھل کھا پی لے لیکن گھر کیلئے بلا قیمت لے کر نہ جائے تو اسکو چوری نہیں سمجھا جاتا اور اس سے کوئی جواب طلبی نہیں کی جاتی۔ اس طریقے سے کھا پی لینے سے مالک کو صدقے کا ثواب ملتا ہے اور بہت سے غریبوں کی گزر اوقات ہو جاتی ہے۔

۱۹۷۶ء میں مَیں لیبیا میں تھا۔ ہم چند ایک دوست سنگتروں کے باغ میں گئے۔ ہمارے پاس ہمارے کھانے پینے کی چیزیں بھی تھیں۔ ہمارا دَراصل پکنک اور سیر کا ارادہ تھا۔ باغ کا مالک ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ میرے باغ سے جو چاہیں اور جتنا چاہیں، کھا پی سکتے ہیں لیکن توڑ کر گھر لے جانا منع ہے۔ اگر آپ نے گھر کیلئے لے جانا ہوگا تو اسکی قیمت اَدا کرنی پڑے گی۔ ۱۹۸۰ء میں جب مَیں انگلستان میں تھا تو یہی طریقہ میں نے وہاں بھی رائج دیکھا۔

پھل دار باغ لگانے سے عام فصل سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ یہاں حدیث شریف میں پھل دار درخت کو مخصوص کر دیا ہے لیکن حدیث شریف عام ہے جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ ہر قسم کی زراعت جو بھی انسان کر سکتا ہے، اسکو کرنی چاہیے تا کہ بالآخر خوراک کی کمی کو پورا کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا ہم کیسے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ کسی مخلوق خاص طور پر انسان کے بَس کی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق اَدا کر سکے۔ ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں جو کسی نے زمانہ ءِ قبل میں کہا، ''یَارَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ'' ترجمہ ''اے اللہ تعالیٰ! تیرے لیے

ایسی ہی حمد ہے جو تیرے چہرے کی بزرگی کے لائق اور تیری سلطنت کی عظمت کے لائق ہے'' تو اس شخص کے کراماً کاتبین نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یاباری تعالیٰ! ہم اس دُعا کا کتنا ثواب لکھیں تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ جو اس نے کہا ہے ویسا ہی لکھ دو، اسکا ثواب آخرت میں مَیں خود ہی دوں گا۔ (ابن ماجہ)

دیکھیں اور غور کریں کہ اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کو رزق بھی دے رہا ہے اور رزق پیدا کرنے والے کو جسکی اجازت کے بغیر دوسری مخلوق کھا رہی ہے، اسکو ثواب بھی دے رہا ہے۔ کیا ایسی کریم ذات کائنات میں آپکو کہیں اَور ملے گی؟ تو پھر ہم اسکا شکر کیوں اَدا نہیں کرتے؟ جو دولت مند ہیں، ان میں اکثریت اسراف میں ملوّث ہیں اور جو غریب ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے بجائے بندوں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کیلئے اسکے رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم دولت کو صحیح طریقے سے کمائیں یعنی حلال طریقے سے اور اسے صحیح طریقے پر یعنی بغیر اسراف کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کریں اور انسان جو خود محتاج ہے، اس سے مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے مانگے تو غربت اَز خود ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت دولت مند اور غریب دونوں کو ڈھانپ لے گی۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۴۳: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَهٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَهٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۵۳۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دِن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسایہ کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دِن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دِن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اچھا کلام کرے یا خاموش رہے''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کی رَضا حاصل کرنے، معاشرتی زندگی کو خوبصورت بنانے اور جنت کے حصول میں یہ چار [۴] بنیادی اعمال ہیں جنکے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ ہمسائے اور مہمان سے اچھا سلوک کیا جائے اور جو بات بھی کسی سے کرو، اچھی کرو ورنہ خاموش رَہو۔ اگر ہم ان چار [۴] باتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی کا معمول بنالیں تو یہ بلاشبہ جنت میں لے جانے والی باتیں ہیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے ہمسائے سے حسنِ سلوک کے بارے میں اتنی دفعہ بتایا کہ میں گمان کرنے لگا کہ شاید ہمسائے کو وراثت میں بھی شریک بنادیا جائے گا''۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۵۳۲)

اگر ہر انسان ہمسائے سے اچھا سلوک کرتا ہے اور اسکے پورے حقوق اَدا کرنے کا دھیان رَکھتا ہے تو وہ گویا کہ پوری قوم سے اچھا سلوک کر رَہا ہے کیونکہ ہمسایہ ہمسائے سے اگر منسلک ہوتا چلا جائے تو پوری قوم ایک دوسرے سے منسلک ہو جائے گی۔ یاد رَہے کہ ہمسائے کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک ہمسائیگی گھر کی وجہ سے ہے، ایک مسافرت

کی، ایک کام پر ساتھیوں کی، ایک کاروبار میں رفاقت کی اور ایک سڑک پر چلتے پھرتے لوگوں کی۔ ہمسائے سے حسنِ سلوک، اسکو معاف کرنا، اسکی دانستہ یا غیر دانستہ تکلیف دَہ باتوں اور کاموں پر صبر کرنا **ایک عظیم قوت** ہے جو کہ مجھے اس واقعہ سے آشکار ہوئی۔

۱۹۹۲ء میں مَیں نے مکان بنانا شروع کیا۔ میرے چار ہمسایوں میں سے ایک ہمسایہ ایسا تھا جو مزدوروں اور ٹھیکیدار کو بہت تنگ کرتا تھا۔ میں نے ٹھیکیدار اور مزدوروں کو یہ نصیحت کر رَکھی تھی کہ تم نے اس صاحب کو کوئی جواب نہیں دینا، صبر سے اپنا کام کرتے رَہو۔ مکان مکمل ہو گیا تو میں اسی علاقے میں صبح کو سیر کیلئے نکلتا تھا۔ ایک دِن اس وقت میرا اور اس ہمسائے کا آمنا سامنا ہوا تو میں نے اسکو سلام کیا، اس سے ہاتھ ملایا اور اسکے بال بچوں کی خیریت پوچھی اور پھر میں چل دیا۔ ایک دو دفعہ چند دِنوں کے بعد پھر ایسے ہی ہوا۔ وہ جب بھی میرے سامنے آتا تھا تو میں اسکو سلام کرتا اور اس سے خیریت پوچھتا۔ کچھ مہینوں کے بعد وہ صاحب بیمار پڑ گئے تو میں انکی عیادت کیلئے گیا اور انکا علاج شروع کر دیا۔ جب وہ صحت مند ہو گئے تو مجھے کہنے لگے کہ میں نے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔ میں نے پوچھا، فرمائیں تو وہ صاحب جو کہ مجھ سے دَس پندرہ سال بڑے تھے، ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے کہ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ میں نے پوچھا، کس بات کی تو کہنے لگے کہ جب آپکا مکان تعمیر ہو رَہا تھا تو میں آپکے مزدوروں اور ٹھیکیدار کو ڈانٹتا تھا۔ میں اس بات کی معافی مانگتا ہوں کہ میں نے زیادتی کی تھی۔ میں نے جواب دیا کہ میں تو اس بات کو بھول چکا ہوں، آپ کیوں مجھے شرمندہ کر رَہے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ میرے اتنے احسان مند ہو گئے حالانکہ میں نے انکی کوئی ضرورت سے زیادہ خدمت نہیں کی تھی کہ وہ ایک دِن میرے گھر ایک بہت بڑا تحفہ لے کر آئے (یہ نقدی نہیں بلکہ کچھ اَور تھا) میں نے انکا شکریہ اَدا کیا پھر مجھے کہنے لگے کہ میں چند لاکھ روپے کسی مسجد کی تعمیر میں دینا چاہتا ہوں تو میں نے انکو کہا کہ چونکہ یہ نقدی کا معاملہ ہے، یہ آپ اپنے بیٹوں کے ذریعے سے استعمال کریں، میرے لیے یہ بہت بڑی ذمّہ داری ہو گی جس سے میں بہت ڈَرتا ہوں۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ایک دِن انکی بیٹی کا ٹیلیفون آیا اور مجھے کہا کہ کیا آپ ہمارے گھر اس وقت آ سکتے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگی کہ میرے اَبو کل سے میرے پاس آ گئے ہیں اور وہ اس بات پر بضد ہیں کہ ڈاکٹر سلیمان مجھے ناشتہ

کرائیں گے تو میں کروں گا ورنہ نہیں تو میں اپنا کام چھوڑ کر انکی بیٹی کے گھر گیا جو کہ میرے گھر سے کوئی چار پانچ میل دُور تھا اور وہاں بیٹھ کر میں نے انکو ناشتہ کرایا۔ پھر کہنے لگے کہ دوپہر کے وقت بھی آنا۔ پھر میں دوپہر کو بھی انکو کھانا کھلانے گیا۔ میرے اس رویّے سے وہ اتنے متأثر ہوئے کہ بہت سی راز کی باتیں جو انکو اپنے بیٹے اور بیٹیوں سے کرنی چاہیے تھیں، انکو چھوڑ کر مجھ سے کرلیا کرتے تھے۔ اب چند سال ہوئے، وہ وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے اور انہیں جنت میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے۔ وہ مجھے ساری زندگی کیلئے اس حدیث شریف کی سچائی سکھا گئے ہیں۔

مہمان کا احترام قرآن حکیم کے اس واقعہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس دو [۲] فرشتے انسانوں کی شکل میں آتے ہیں اور آپ فوراً ان کے لیے ایک بہترین مینڈھا بھون کر لے آتے ہیں لیکن مہمان کہتے ہیں کہ ہم تو فرشتے ہیں، ہم کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ یہ واقعہ ہماری اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ مہمان کی تکریم فوری اور بہترین طریقے سے کی جائے۔ نبی کا عمل انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہوتا ہے۔

مہمان کی خدمت میزبان پر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رَضا اور خوشنودی اسی میں ہے کہ مہمان کا حق ایمانداری سے اَدا کیا جائے۔ یہ حق تین [۳] دِن تک رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر مہمان تین [۳] دِن سے زیادہ رہتا ہے تو اسکے بعد اسکی خدمت کرنا میزبان کیلئے صدقہ بن جاتا ہے'' (مشکوٰۃ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''خود مہمان کو اس بات کا خیال رَکھنا چاہیے کہ تین [۳] دِن سے زیادہ اتنا نہ ٹھہرے کہ میزبان تنگ آ جائے'' (مشکوٰۃ)

جب مہمان کھانا کھاتا ہے فرشتے میزبان کیلئے دُعائے رحمت کرتے ہیں۔ اکٹھے کھانے میں اکیلے اکیلے کھانے کی نسبت (بشمول مہمان) برکت زیادہ ہوتی ہے۔ جب اکٹھے کھانا کھائیں تو کوئی اس وقت تک نہ اُٹھے جب تک تمام فارغ نہ ہو جائیں (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ کی میزبانی کا ایک زندہ و جاوید واقعہ

میں ایک دفعہ عمرہ کیلئے گیا۔ خانہ کعبہ میں کچھ دُعائیں مانگتا رہا لیکن میرے دِل کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ ایک دِن ایسا ہوا کہ ایک بَس کمپنی (بکالہ التوفیق) جو کہ حرم اور مسجد

عائشہ تک مسافروں کو لے جانے اور لانے میں مصروف تھی، اسکے دفتر کے سامنے ایک بہت بڑے بورڈ پر نظر پڑی جبکہ میں بَس میں اوپر کی منزل میں بیٹھا تھا۔لکھا ہوا تھا کہ

التوفیق

فی خدمة الضیوف الرحمٰن

کمپنی توفیق

رحمٰن کے مہمانوں کی خدمت میں

یکدم میرے دِل میں خیال آیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوں۔مسجد عائشہ سے لوٹ کر عمرہ مکمل کیا اور سارا وقت میں اللہ تعالیٰ سے یہی دُعا کرتا رہا کہ یا اللہ تعالیٰ! میں تو تیرا مہمان ہوں۔زمین کا کوئی بادشاہ مہمان کو خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتا، تُو تو شہنشاہِ کائنات ہے، تُو مجھے خالی ہاتھ واپس کیسے لوٹائے گا۔اسکے بعد ہم کوئی تقریباً سات[۷] دِن مکہ مکرمہ میں رہے اور میں اسی طرح چار[۴] خاص دُعائیں مانگتا رہا۔واپس آ کر میں نے دیکھا کہ اُن چاروں دُعاؤں کی قبولیت کا ایک دو سال کے اندر اندر ظہور ہو گیا۔

یَارَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ

اے اللہ! تیرے لیے ایسی ہی حمد ہے جو تیرے چہرے کی بزرگی کے لائق

اور تیری سلطنت کی عظمت کے لائق ہے

آپ جب بھی اللہ تعالیٰ کے مہمان بن کر جائیں تو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بہترین میزبان کون ہو سکتا ہے؟ آپ اپنے میزبان سے جو آپ دُنیا اور آخرت کیلئے بہترین سمجھتے ہیں، وہ مانگنے میں کوتاہی نہ کریں۔

گفتگو کے متعلق

اس حدیث شریف میں ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ بات کریں تو اچھی کریں۔اگر آپ اچھی بات نہیں کر سکتے تو بُری بات کرنے سے اجتناب کریں۔اپنے جذبات کو کنٹرول کریں اور خاموشی اختیار کریں کیونکہ اچھی بات کرنے سے آپکو اَجر ملے گا۔بُری بات کرنے سے آپکے نامہءِ اعمال میں ایک بُرائی لکھی جائے گی۔اگر آپ خاموش رہیں گے تو نہ اَجر ملے گا اور نہ ہی بُرائی لکھی جائے گی (بہت ممکن ہے کہ آپکے نہ بولنے سے آپ

نے لوگوں کو اپنے شَر سے بچالیا۔ دوسروں کو اپنے شَر سے بچانا بھی صدقہ ہے اور اس میں بھی ثواب ہے) لیکن آپکو صبر کرنے کا ثواب انشاءاللہ العزیز مل جائے گا۔

بہترین گفتگو وہ ہے جو سچ پر مبنی ہو، موقعہ اور محل کے مطابق ہو اور بہترین سچا کلام جو آپ کر سکتے ہیں اور لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں، وہ خالق کائنات کا کلام ہے یعنی قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام یعنی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اسکے بعد باقی تمام کلام اگر قرآن کریم واحادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبنی ہیں تو وہ اچھے کلام ہیں۔ اگر اسکے برعکس ہیں تو وہ بُرے کلام ہیں لہٰذا انسان کو قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ اتنا زیادہ کرنا چاہیے کہ وہ آپکی گفتگو کا ایک حصہ بن جائیں۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ الکریم نے فرمایا کہ جب میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کلام کرے تو میں قرآن حکیم کی تلاوت شروع کر دیتا ہوں اور جب میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے کلام کروں تو میں نماز شروع کر دیتا ہوں۔

خاموشی بذاتِ خود ایک بہت بڑی انسانی شرافت کی نشانی ہے۔ دانشمند آدمی بہت کم گو ہوتا ہے اور جو بات کرتا ہے، حکمت کی بات کرتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اگر کوئی مجھے دو [۲] چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دے دے۔ ایک وہ جو دو [۲] جبڑوں کے درمیان ہے، دوسری وہ جو دو [۲] رانوں کے درمیان ہے تو میں اسکو جنت کی ضمانت دیتا ہوں''۔ مشکوٰۃ (بخاری)

ایک اَور حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم قیامت میں سب سے بُرا وہ آدمی دیکھو گے جس کے دُنیا میں دو [۲] منہ تھے۔ وہ ایک کے منہ پر کچھ کہتا اور دوسرے کے منہ پر کچھ''۔ مشکوٰۃ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم پر سچائی لازم ہے کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف۔ آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھ لیا جاتا ہے اور فرمایا کہ جھوٹ سے پرہیز کرو کیونکہ جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا ہے اور بدی جہنم میں لے جاتی ہے۔ آدمی برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک کذاب لکھ لیا جاتا ہے''۔ مشکوٰۃ (متفق علیہ)

ہمارے ہاں عام مشہور ہے کہ سیاست جھوٹ ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاست سچ پر مبنی تھی۔ ہمیں سچ کی سیاست کو اپنانے اور فروغ دینے کے بارے میں سوچنا چاہیے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے سیاسی لیڈر وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن حکیم اور احادیث شریف کبھی اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۴۴: عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا مَا كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَصْنَعُ فِیْ اَهْلِهٖ قَالَتْ كَانَ فِیْ مِهْنَةِ اَهْلِهٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۵۵۶)

ترجمہ: حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر کیا کرتے تھے؟'' اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، ''گھر کے کام کرتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے''۔

نوٹ: سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہءِ زندگی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ہم گھر کے کام کاج کو کرنا ہتک سمجھتے ہیں اور ملازموں پر انحصار کرتے ہیں۔ گھر کے کام کاج میں دلچسپی لینے میں ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اپنی رفیقہءِ حیات کے ساتھ بہترین تعلقات کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میزان (نامہءِ اعمال کی ترازو) میں کوئی شے حسنِ اخلاق سے زیادہ وزنی نہ ہوگی''۔ (سنن ابوداؤد، جلدسوم، حدیث ۱۳۷۲)

آپکے گھر کے رویّے سے آپکی شخصیت میں گھر سے باہر کی زندگی پر بھی اَثر پڑتا ہے اور آپکے اخلاق بیرونِ خانہ بہتر سے بہتر ہوتے جاتے ہیں۔ معاشرے میں اگر ہر انسان اپنے گھر میں دلچسپی لینے کا باقاعدہ معمول بنالے تو بیرونِ خانہ بے شمار جھگڑے جو زیادہ اَنا کی وجہ سے کھڑے ہوتے ہیں، بند ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ فساد کو ناپسند فرماتا ہے اور اَمن کو پسند فرماتا ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت آپکے ساتھ ہو جاتی ہے۔

اس رویّے سے آپکے گھر میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار برکتیں نازل ہوں گی اور آپکے بیرونِ خانہ کام کاج اللہ تعالیٰ آسان فرمادے گا۔ [انشاءاللہ العزیز]

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

○.....○.....○

حدیث ۴۵: عَنْ هَمَّامٍ كُنَّا مَعَ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقِيْلَ لَهٗ اَنَّ رَجُلًا يَرْفَعُ الْحَدِيْثَ اِلٰى عُثْمَانَ فَقَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ"۔ (تفہیم البخاری، جلد نہم، حدیث ۶۵۷۴)

ترجمہ: حضرت ھمّام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ ان سے کہا گیا، "ایک آدمی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کی باتیں پہنچاتا ہے"۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، "میں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا"۔

نوٹ: چغل خوری (اور غیبت) اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے کیونکہ یہ عمل زمین پر فساد برپا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فساد کو ناپسند فرمایا ہے اور اَمن وسکون کو پسند فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں ہے، ان لوگوں (منافقین) کیلئے جو فساد برپا کرنے کیلئے غیبت اور چغل خوریاں کرتے تھے، "وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○" (البقرۃ ۲، آیت ۱۱-۱۲) ترجمہ "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اِصلاح کر رہے ہیں۔ سُن رَکھو! حقیقتاً یہی لوگ فسادی ہیں اور یہ اسکا احساس بھی نہیں رَکھتے"۔

قرآن کریم نے دوسری جگہ اسکو بہت ہی گھناؤنا جرم قرار دیا ہے، "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○" (الحجرات ۴۹، آیت ۱۲) ترجمہ "اے ایمان والو! بدگمانیوں سے بچو کیونکہ اکثر بدگمانیاں واضح گناہ ہوتی ہیں اور ٹوہ میں مت لگا کرو اور کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا؟ کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، تم اسکو ضرور ناپسند کرو گے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (غیبت اور چغلی سے باز رہو اور اگر ایسی

حرکت انجانے میں ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو) یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول فرمانے والا اور بڑا مہربان ہے''۔

چغل خور سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ جو آدمی آپکے پاس کسی کی چغلی کرتا ہے، وہ لازماً آپکی چغلی کسی کے پاس کرے گا۔اس طرح دونوں کے درمیان بدظنی پیدا ہو جائے گی جو آئندہ لڑائی جھگڑے کا باعث بنتی ہے۔

قرآن کریم نے ایک اَور جگہ چغل خور کیلئے بُری خبر دی ہے،''وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃٍ ۝''(الہمزہ۱۰۴،آیت۱)ترجمہ''بربادی ہے پس پشت عیب جوئی کرنے والے کیلئے اور طعنہ دینے والے کیلئے''۔

چغل خوری اور غیبت،طعنہ زَنی اور کردار کشی ہماری سیاست میں اس درجہ عام ہے کہ کسی سیاسی آدمی کی بات مکمل ہی نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دوسرے پر کیچڑ نہیں اُچھال دیتا۔اس رویّے سے ہمارے سیاسی گروہ ہمیشہ سے لڑتے آرہے ہیں اور لڑتے رہیں گے اور یہ سب کچھ عوام کیلئے نہیں، نہ ہی ملک کیلئے بلکہ اپنے مفاد میں کرتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ملک میں فساد تو برپا ہو جاتا ہے لیکن کبھی نتیجہ انکے حق میں نہیں نکلا بلکہ انکے خلاف ہی نکلتا نظر آیا ہے۔ جب تک یہ عادت ہمارے سیاسی لیڈروں میں ختم نہیں ہوتی، ہماری جمہوریت اور طرزِ حکمرانی درست راستے پر نہیں آسکتے۔**مختصر یہ کہ**.....

.....حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ حیاء اور تامل (سوچ بچار) ایمان کی دو[۲] شاخیں ہیں جبکہ فحش گوئی اور کثرت کلام منافقت کی دو[۲] شاخیں ہیں۔(ترمذی،جلداوّل،حدیث۱۸۵۶)

وَمَا عَلَیۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلَاغُ الۡمُبِیۡن

○.....○.....○

حدیث ۴۶: عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ رَجُلًا یُثْنِیْ عَلٰی رَجُلٍ وَیُطْرِیْہِ فِیْ الْمِدْحَۃِ فَقَالَ اَھْلَکْتُمْ اَوْ قَطَعْتُمْ ظَھْرَ الرَّجُلِ ۔(تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۵۷۸)

ترجمہ : حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کوایک شخص کی مدح کرتے ہوئے سنا، وہ اسکی مدح میں بہت مبالغہ کررہا تھا۔سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''تم نے ہلاک کردیا'' یا فرمایا، ''تم نے آدمی کی پشت کاٹ ڈالی ہے''۔

نوٹ :انسانی نفسیات ہے کہ جب کسی کی تعریف کی جاتی ہے تووہ پھول جاتا ہے اوراپنے متعلق غلط اندازے لگانا شروع کردیتا ہے پھروہ ریاکار،خودپسند،متکبراور جابربن جاتا ہے۔

تعریف ایک اچھی صفت ہے لیکن اس کو اعتدال کے اندر ہی رَکھنا چاہیے۔ تعریف میں انسان کوسچائی اورتوازن کا دھیان رکھنا چاہیے۔اگرتعریف جھوٹی ہے یا حد سے تجاوز کرگئی ہے تووہ خوشامد میں شامل ہوگی۔بے موقع جائزتعریف بھی انسان کوغلط فہمی میں مبتلا کردیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعریف فرمائی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف بھی کئی جگہ فرمائی گئی ہے لیکن یہ تعریف سچ پرمبنی اورایک حدتک محدود ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا،''**وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○**'' (القلم ۶۸، آیت ۴) ترجمہ''اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہیں''۔اس طرح کی جائز، باموقع اورمتوازن تعریف انسان کو بہت حوصلہ دیتی ہے اور یہ انسان کی تربیت اوراسکی شخصیت کے نکھار میں بہت اہم کردار اَدا کرتی ہے۔

اگرکوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا۔اگرحدود کے اندر ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سکوت فرماتے،اگرتجاوز کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکوروک دیتے۔(شمائل ترمذی)

امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ الکریم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نہ عیب گیر تھے کہ دوسروں کے عیوب پکڑیں، نہ مبالغہ سے تعریف کرنے والے تھے۔ (شمائل ترمذی)

تعریف میں مبالغہ کرنے والا بالآخر خوشامدی بن جاتا ہے اور اس مبالغہ آمیزی سے بہت سے لوگوں سے دُنیاوی فائدہ اُٹھاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ مرض بہت زیادہ ہے۔ خاص طور پر سیاسی لوگوں اور مذہبی علماء میں۔ دونوں گروہ ہی تعریف کے بھوکے ہیں اور اپنے اِردگرد ان لوگوں کو جمع رَکھتے ہیں جو انکی تعریف کے ہر وقت گن گاتے رہیں۔

یہ دو [۲] گروہ اپنی تعریف کے علاوہ اَور کچھ سننا پسند نہیں کرتے۔ اس رویّے کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں غلط قسم کی تعریف اور ابن الوقتی کا رواج پڑ چکا ہے۔ اس باطلانہ طریقے نے ملک میں انتشار پیدا کیا ہوا ہے۔

جب آپ ایک آدمی کی خوشامد کر رہے ہوتے ہیں تو کسی نہ کسی دوسرے آدمی کی بُرائی کرنے میں بھی ملوّث ہو جاتے ہیں، اسی سے سیاسی گروہ بندی اور مذہبی فرقہ واریت جنم لیتی ہے جسکے تباہ کن اَثرات آپکے سامنے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۴۷: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَاتَبَاغَضُوْا لَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ۔(تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث۶۵۸۲)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اپنے آپکو لوگوں کے متعلق بُرا گمان قائم کرنے سے بچاؤ کیونکہ بُرا گمان جھوٹ ہے اور (اسی طرح) ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رَکھو اور نہ ہی پشت پھیرو (یعنی روٹھ جاؤ یا ناراض ہو جاؤ) اور آپس میں بھائی بھائی بن کر اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ'' (کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' (دیکھیں سورۃ الحجرات ۴۹) ترجمہ ''یقیناً مؤمنین ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں)

نوٹ: کسی کے متعلق بُرا گمان دونوں طرف سے شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے اور بلاوجہ دُشمنی کو جنم دیتا ہے جو بالآخر لڑائی جھگڑوں کا باعث بنتی ہے۔ایک دوسرے کے متعلق اچھا گمان رَکھنے سے تعلقات اور بھائی چارہ فروغ پاتا ہے لہٰذا ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ بلاوجہ کسی کے بارے میں کوئی بُرا خیال نہ رَکھیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بنتا ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد کہ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رَکھتا ہے''۔(ترمذی) اگر ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت، بخشش اور رحمت کا گمان رَکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ویسے ہی ہم سے رویّہ رَکھے گا۔

اسی طرح اگر ہم اپنے بھائی کے بارے میں اچھا گمان رَکھیں تو وہ بھی ہمارے بارے میں اچھا ہی گمان رَکھے گا اور معاشرتی تعلقات میں خوشگوار رویّہ پیدا ہوگا اور ایک دوسرے کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر دَرگزر کرنے اور معاف کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

بھائی بھائی بن کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کے متعلق اچھے خیالات

رَکھے جائیں اور اسکے ساتھ پیار ومحبت کا رویہّ ہو اور بوقت ضرورت اسکی ہر قسم کی مدد کرنے کیلئے ہم تیار رَہیں۔ اسکے نقصان کو ہم اپنا نقصان سمجھیں اور اسکے فائدے کو اپنا فائدہ۔ ایسے رویّے سے خاندان میں ایک خوشگوار اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم اسکو فروغ دیں اور قوم کا ہر خاندان پُرسکون اور مطمئن ہو اور عدل پر کام ہوتا رہے تو پوری قوم فلاح کے راستے پر ہے۔ اگر معاملہ اسکے برعکس ہے جیسا کہ ہمارے معاشرے میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاندانی لڑائیاں بہت طویل چلتی ہیں تو دوسرے مسلمان بھائی سے اگر آپکی لڑائی ہو جائے یا بدگمانی ہو جائے تو اس سے تو پوری کی پوری قوم متأثر ہو کر ایک منتشر معاشرہ بن جاتا ہے۔

اتحاد میں اللہ تعالیٰ نے برکت رَکھی ہے اور اتحاد کی بنیاد ایک دوسرے کے متعلق اچھا گمان رکھنا، اچھا رویہّ رَکھنا، فساد اور ظلم سے بچنا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ''حضرت ابو رجاء عطاردی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو اپنے امیر کا کوئی ایسا کام دیکھے جسکو وہ ناپسند کرتا ہے تو اسے صبر کرنا چاہیے کیونکہ جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر بھی نکل گیا تو وہ جہالت کی موت مرے گا''۔ (صحیح البخاری، جلد سوم، حدیث ۷۰۵۴)

جماعت (قوم) کا اتحاد اسی طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ ہر فرد دوسرے فرد کے متعلق اچھے خیالات رَکھے۔ اگر کوئی کسی کے متعلق کوئی بُری بات بھی کرتا ہے تو اسکو نصیحت کر دینی چاہیے کہ یہ آپ بُرا کر رہے ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا نہ ہو جیسا کہ آپ اسکو سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ایسا ہے بھی تو آپکو دَرگزر سے کام لینا چاہیے اور اسکو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور اسکے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر اور رحمت کی دُعا مانگیں۔ یہ رویہّ اس رویّے سے اچھا ہے کہ آپ اسکی بات کو سنتے رہیں اور پھر آگے اسکو پھیلانے کی کوشش کریں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بُری بات اتنی بُری نہیں ہوتی جتنا اسکو تشہیر کر کے بنا دیا جاتا ہے۔ ایک مؤمن کی صفت یہی ہے کہ دوسرے انسان سے وہ رویہّ رَکھے جو ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک کا رویہّ رَکھا۔ اگر ہم یہ نہیں کر سکتے تو پھر اپنے آپکو مؤمن کیسے کہہ سکتے ہیں؟ حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں انکے لیے ایک بکری ذبح کی گئی۔ جب وہ آئے تو دو [۲] مرتبہ پوچھا، ''کیا تم

لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کو گوشت وغیرہ بھیجا ہے؟ اسلئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے ہمیشہ پڑوسی کے ساتھ بھلائی اور احسان کی وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں سمجھا کہ وہ اسے وارث کردیں گے''۔ (ترمذی شریف، جلداوّل، حدیث۱۷۷۲)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۴۸: عَنْ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ اُمَّتِيْ مُعَافًى اِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ وَاِنَّ مِنَ الْمَجَانَةِ اَنْ يَعْمَلَ الرَجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَه' اللّٰهُ فَيَقُوْلُ يَا فُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُه' رَبُّه' وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سَتْرَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔
(تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۵۸۷)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''میری اُمت کے تمام گناہ معاف کئے جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جو گناہ کا اِظہار کرتے ہیں اور دیوانگی یہ ہے کہ آدمی رات میں کوئی کام کرتا ہے پھر صبح کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈالا ہوتا ہے۔ کہتا ہے، 'اے فلانے! میں نے آج رات ایسا ایسا کام کیا ہے'۔ وہ رات بسر کرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈالا ہوتا ہے اور یہ صبح کو اللہ تعالیٰ کے پردہ کو کھول دیتا ہے''۔

نوٹ: جو شخص اپنے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسکے گناہ کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتا لیکن جو شخص خود ہی اپنے گناہ کا پردہ چاک کرتا ہے تو پھر وہ شخص ویسا ہی مشہور ہو جاتا ہے۔ گناہ کی تشہیر کرنے سے گناہ کرنے کی لوگوں کو ترغیب ملتی ہے اور بُرائی پھیلتی ہے۔

جس نے سب سے پہلے گناہ کی تشہیر کی گویا کہ اس نے لوگوں کو اس گناہ کے کرنے کا طریقہ یا اسکا مقصد بتا دیا، بعد میں جو بھی اس گناہ کو کرتا ہے، اسکی بُرائی کا ایک حصّہ اس شخص کے نامہء اعمال میں لکھا جاتا ہے جس نے وہ بُرائی کی اور اسکی تشہیر کی کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کسی نیک کام کی بنیاد رکھتا ہے تو بعد میں وہی نیک کام کرنے والوں کے ثواب کا ایک حصّہ اس شخص کو پہنچ جاتا ہے جس نے نیک کام کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح جس نے بُرائی کی بنیاد رکھی اور اسکی تشہیر کی تو بعد میں بُرائی کرنے والوں کی بُرائی کا ایک حصہ اس تشہیر کرنے والے کو پہنچ جاتا ہے۔ (ترمذی، جلد دوم، حدیث ۲۴۸۱)

اپنے مسلمان بھائی کا گناہ چھپانا ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ اگر اس نے اپنے بُرے کام کا ذِکر خود ہی آپ کے سامنے کر دیا تو آپ کو چاہیے کہ آپ اس موقع سے فائدہ اُٹھائیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں اور کسی دوسرے سے اس کے متعلق بات نہ کریں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پودہ پوشی فرمائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ دَری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی پردہ دَری فرماتا ہے حتیٰ کہ گھر بیٹھے اس کو رُسوا کر دیتا ہے''۔ (ابن ماجہ)

حدیث شریف میں ہے کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اَب قیامت تک انسانیت میں جتنے بھی قتل ہوتے ہیں، اس گناہ کا ایک حصّہ اسکے نامہءاعمال میں چلا جاتا ہے۔

ہمارے ایک سیاسی لیڈر نے اعلانیہ کہا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میں شراب پیتا ہوں تو اس نے بھرے جلسے میں کہا کہ ''ہاں! ہاں! میں شراب پیتا ہوں، لوگوں کا خون تو نہیں پیتا''۔ اگر وہ اپنے گناہ کو جو کہ اسلامی قانون میں قابل سزا ہے اور اسکا ارتکاب کرنے والے کی گواہی شرعی عدالت میں قبول نہیں ہے، وہ اپنے گناہ کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز رَکھتا تو بہت ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اسکو معاف فرما دیتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دِن ایک شخص حساب کتاب کیلئے حاضر ہو گا تو اللہ تعالیٰ اسکا حساب باقی تمام دُنیا کی نگاہوں سے چھپا کر لے گا۔ اس سے اسکے ہر گناہ کا اقرار کروائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ''دیکھو! تم نے ان گناہوں کو لوگوں سے چھپائے رَکھا تو میں نے بھی تمہارے گناہوں کو لوگوں سے چھپائے رَکھا، اب میں تم کو بخشتا ہوں۔ تم جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ''۔

جب ہم اپنے گناہ کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں اور مرتے دَم تک توبہ بھی نہیں کرتے تو وہ تمام لوگ جنہوں نے اس گناہ کو دیکھا یا سنا ہے، وہ قیامت کے روز اس انسان کے خلاف گواہ کے طور پر حاضر ہوں گے۔ چونکہ انکی گواہی سچی ہو گی لہٰذا اللہ تعالیٰ گواہی کی بنا پر فیصلہ فرمائے گا۔ جس نے گناہ کو چھپایا اور دُنیا میں کسی نے نہ دیکھا اور نہ جانا ہو اور اللہ تعالیٰ اور گناہگار کے درمیان ایک مخفی راز رَہا ہو تو قیامت کے دِن بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کوئی گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اسکو بخش دے گا۔

مشورہ:

مذاق میں یا سنجیدگی سے اپنے غلط کاموں کو خواہ وہ آپکے خیال میں دِین سے تعلق رَکھتے ہیں یا امورِ دُنیا سے، دوسرے لوگوں سے بے خبر رَکھنا آپکے فائدے میں ہے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو، اپنی باتوں اور کاموں کو دوسروں کے سامنے بیان کرنے سے پرہیز کیا کریں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ ''یا اللہ تعالیٰ! وہ تمام غلطیاں جو میں جانتا ہوں اور تو بھی جانتا ہے اور وہ تمام غلطیاں جو میں نہیں جانتا لیکن تو جانتا ہے، اپنی رحمت خاص سے معاف فرمادے'' تو مجھے سو فیصدی اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمادے گا کیونکہ وہ معاف ہی فرمانے والی ذات ہے، عذاب دینے والی نہیں۔ کیا آپ نے قرآن حکیم میں نہیں پڑھا، ''**لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّه' هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○**'' (الزمر ۳۹، آیت ۵۳) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ تو سب گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا، بڑا رحم فرمانے والا ہے''۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۴۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَه عِنْدَ الْغَضَبِ ۔(تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۶۲۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''لوگوں کو کُشتی میں پچھاڑ دینے والا پہلوان نہیں، پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول کرے اور اپنے کو قابو میں رَکھے''۔

نوٹ: غصّے کا آنا انسانی فطرت کا ایک حصّہ ہے۔اس حدیث شریف میں یہ نہیں فرمایا کہ غصّہ نہ کرو بلکہ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ جب غصّہ آئے تو اسکو قابو میں کرنے کی کوشش کرو تا کہ معاملہ بگڑ نہ جائے۔دوسرے کی نازیبا حرکت پر غصّے کو کنٹرول کرنا اور صبر کر لینا ایک بہت بڑی انسانی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسکا ثواب بھی بہت رَکھا ہے۔قرآن کریم میں ہے، ''اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○''(آلِ عمران ۳، آیت ۱۳۴) ترجمہ ''(وہ لوگ) جو فراخی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور غصّہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے دَرگزر کرنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ ایسے اچھے کام کرنے والوں سے محبت رَکھتا ہے''۔

اگر کوئی فرد اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو وہ ایک عظیم مرتبے پر فائز ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے تو یہ ایک عظیم تر مرتبہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمایا جبکہ خیبر دو دِن سے فتح نہیں ہو رہا تھا کہ میں کل صبح لڑائی کے وقت اس شخص کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جس سے اللہ تعالیٰ محبت رَکھتا ہے اور پھر لڑائی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور انکے ہاتھ میں جھنڈا دیا اور خیبر فتح ہو گیا۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ الکریم غصّے کے بہت ضبط کرنے والے تھے۔ایک دفعہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کچھ ناراض ہو کر مسجد میں چلے گئے اور

وہاں لیٹ گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گئے تو پوچھا کہ (حضرت) علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہاں ہیں؟ تو وہ کہنے لگیں کہ مجھ سے ناراض ہوکر باہر چلے گئے ہیں، علم نہیں کہ کہاں گئے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تلاش کرتے ہوئے مسجد میں پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں ننگے بدن ننگی زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور کچھ سونے کی حالت میں کروٹ لے رکھی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قریب پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم کی مٹی کو صاف کرنا شروع کر دیا اور فرماتے جارہے تھے یا ابوتراب! یا ابوتراب!۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ اے (حضرت) علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم تو اتنے متقی ہو اور تم نے اپنے نفس کو اتنا مارا ہوا ہے جیسے کہ مٹی ہوتی ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ تم گھر سے ناراض ہوکر یہاں لیٹ گئے ہو؟ یاد رہے اُمت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام المتقین کہا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی وقت اُٹھ کر گھر چلے گئے۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے سفر کے دوران ایک مسجد میں قیام کیا اور لوگوں کی تعلیم کیلئے وعظ شروع کیا۔ دورانِ وعظ میں نے مجمع سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ بہادر انسان کون ہے؟ تو لوگوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا لیکن جو میرا جواب تھا، وہ کسی نے نہیں دیا۔ آخر میں انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا جواب کیا ہے تو میں نے جواب دیا کہ ''بہادر ترین انسان وہ ہے جو دوسرے کا حق نہیں مارتا بلکہ اپنا حق دوسرے کو دے دیتا ہے''۔ حق کے چھن جانے پر ہی تو انسان کو غصّہ آتا ہے۔ جب آپکا حق چھن جائے اور غصّہ آئے اور اس پر آپ صبر کریں اور اپنا حق خوشی سے دوسرے کے حوالے کر دیں تو حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق سب سے بہادر انسان وہ ہوگا۔ یہی اس حدیث شریف کا مطلب ہے۔

ہمارے معاشرہ میں بہت سے لڑائی جھگڑے یہاں تک کہ قتل بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصّے پر قابو نہ پانے سے وجود میں آتے ہیں۔ بنیادی طور پر اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جھگڑے کو ناپسند فرماتا ہے اور اَمن پسند فرماتا ہے۔ جب صبر کرنے سے اَمن کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکو اسکا اَجر دے گا اور آپ سے

محبت رَکھے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی احادیث شریف میں صبر کی بہت تلقین فرمائی ہے۔صبر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،''اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○''(البقرۃ۲،آیت۱۵۳)ترجمہ''یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والے کا ساتھی ہوتا ہے''۔

اگر غصّے کو کنٹرول کر کے آپ صبر کریں اور صبر پر ثابت قدم رہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد جو آپ ظاہراً نہیں دیکھ رہے، آپکے ساتھ ہوتی ہے اور بالآخر اچھا نتیجہ آپکے حق میں نکلتا ہے۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکٹھے تھے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ دیر تو خاموش رہے اور پھر اسکے بعد اسکو جواب دینا شروع کیا۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ سے علیحدہ ہو کر چل پڑے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آدمی سے بحث ومباحثہ چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شامل ہو گئے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے تو اسکو اسلئے جواب دینا شروع کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں میرے ساتھ بدتمیزی کر رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے علیحدہ ہو کر چلے آئے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ''اے (حضرت) ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جب آپ صبر کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف سے اسکو جواب دے رہا تھا لیکن جب آپ نے صبر چھوڑ دیا تو پھر شیطان بیچ میں آ گیا تو میں شیطان کی موجودگی میں وہاں کیسے ٹھہر سکتا تھا''۔

اللہ تعالیٰ سورۃ العصر میں فرماتا ہے،''وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۵ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○''(العصر۱۰۳،آیت۳)ترجمہ''کامیاب وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں حق کہتا ہے اور جو مصیبتیں آتی ہیں، ان پر صبر کرتا ہے''۔(کامیابی کا مطلب دونوں جہانوں کی کامیابی ہے)۔حق بات کہنے کے بعد مصیبتوں کی بوچھاڑ میں اگر آپ اپنا صبر کھو بیٹھتے ہیں اور اپنے مخاطبین پر غصّہ ظاہر کرتے ہیں تو یاد رَکھیں آپ نے اپنی

محنت ضائع کردی کیونکہ غصّہ سے شیطان جھگڑے کو پھیلا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جھگڑے کو پسند نہیں فرماتا۔

ہمارے علمائے کرام معمولی سے اختلاف پر آگ بگولا ہو جاتے ہیں، یہ کیسی تبلیغ ہے؟ جس سے آپ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ ہی کو ناراض کر رہے ہیں۔

ہمارے ہاں دوسرا گروہ جو کوئی حق کی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہے، سیاسی لوگ ہیں۔ ان پر اعتراض کرنا تو ایسے ہے جیسے آپ نے کسی پوشیدہ ڈاکو کو چھیڑ دیا ہے۔ ہمارے لیڈروں کا معیار کیا یہی ہے؟ کہ جو پاسبانِ عوام ہونے چاہییں، وہی رہزن بنے ہوئے ہیں۔ ان میں صبر کا ذرا بھی مادّہ نہیں ہے۔ وہ صبر کے نام سے ایسے ہی بے خبر ہیں جیسے **کَلِمَةُ اللّٰه** سے بے خبر ہیں۔ صبر کے فقدان کی وجہ سے ہماری اسمبلیاں جھگڑے کا میدان بن جاتی ہیں اور ہم اکثر پرنٹ میڈیا (Print Media) میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں، ''کل اسمبلی مچھلی منڈی بنی ہوئی تھی''۔

کیا حکمرانی اس چیز کا نام ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت کی بات پر کان نہ دھرا جائے اور اپنی مرضی سے انسانیت کی تمام حدود پھلانگتے جائیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۵۰: وَقَالَ مُعٰوِیَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لَاحِلْمَ اِلَّا عَنْ تَجْرِبَۃٍ۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، باب مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا)

ترجمہ : حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''حکمت تجربہ سے آتی ہے''۔

حدیث ۵۱: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ لَایُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَیْنِ۔ (تفہیم البخاری، جلدنہم، حدیث ۶۶۴۷)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مؤمن ایک سوراخ سے دو [۲] بار نہیں ڈسا جاتا''۔

نوٹ: ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''حکمت مؤمن کی گمشدہ شے ہے لہٰذا اسے جہاں بھی پائے، وہی اسکا مستحق ہے'' (ترمذی، جلد دوم، حدیث ۲۴۹۳) یعنی دانشمند بننے کیلئے اتنی محنت درکار ہے جیسے کہ انسان اپنی قیمتی گمشدہ چیز کو تلاش کرنے میں محنت کرتا ہے۔ ایک سوراخ سے دو [۲] بار ڈسے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے دانشمندی سے کام نہیں لیا لہٰذا وہ ایک ہی کام میں دو [۲] دفعہ دھوکا کھا بیٹھا ہے۔ اس میں ہمارے لیے ہدایت یہ ہے کہ ہر وقت اپنے آپکو اتنا چوکنا رکھیں کہ کوئی آپکو بار بار دھوکہ نہ دے سکے۔

قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھنے کیلئے بھی دانشمندی کی ضرورت ہے بلکہ انسان کو اپنی زندگی میں سب سے زیادہ جس چیز پر محنت کرنی چاہیے، وہ یہی دو [۲] کتابیں ہیں کیونکہ یہ دونوں ہی حکمت سے بھری ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم کے متعلق فرمایا، ''یٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ○ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○'' (یٰسین ۳۶، آیات ۱-۲-۳) ترجمہ ''یاسین۔ قسم ہے قرآن حکیم کی (یعنی وہ کتاب جو حکمت سے بھری ہوئی ہے کہ) تم رسول بنا کر بھیجے گئے ہو''۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میرے قریب قریب وہ لوگ رہا کریں جو حکیم اور دانشمند ہیں''۔ (نسائی) مطلب یہ تھا کہ وہ قرآن حکیم اور احادیث شریف کی حکمتوں کو سمجھنے کیلئے اپنے میں صلاحیت پیدا کرلیں اور میرے اس دُنیا سے رُخصت ہونے کے بعد وہ باقی انسانیت کیلئے معلّم کا کردار اَدا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ''**قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا**'' (الاعراف ۷، آیت ۱۵۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا، تم اعلان فرما دو کہ اے (تمام دُنیا کے) انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں''۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی نبی ہمیشہ زندہ نہیں رہا اور نہ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک زندہ رہنے والے تھے۔ وہ بھی انسان تھے اور انسانوں کی طرح انہوں نے بھی کسی نہ کسی دِن اللہ تعالیٰ کے پاس رُخصت ہو جانا تھا۔ اسکے بعد یہ فریضہ کہ تمام دُنیا کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے کندھوں پر آنا تھا، خاص طور پر یہ علماء کرام کا فرض بن جانا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو دُنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیں۔ آپ کوئی پیغام اسی وقت پہنچا سکتے ہیں جب پہنچانے کی صلاحیت رَکھتے ہوں۔

لیکن افسوس ہے کہ ہم ان کتابوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کر رہے۔ ہم نے قرآن کریم کو صرف پڑھنے تک (بغیر سمجھ کے) محدود کر دیا ہے اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہم شاذ و نادر ہی توجہ دیتے ہیں حالانکہ یہ حکمت کی دو [۲] کتابیں کسی اَور قوم کے پاس نہیں ہیں لیکن دُنیا میں بعض قوموں کا نظامِ زندگی ان دانشمندانہ اصولوں پر استوار کیا جا چکا ہے جو ان کتابوں میں موجود ہیں اور وہی قومیں اس وقت ہم پر غالب ہیں۔ ہم نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کی صلاحیت کھو دی ہے، اسلئے ہم غالب سے پستی کی طرف آ کر مغلوب ہو چکے ہیں اور دُنیا ہمیں اَب جہلاء (جاہل) میں شمار کرنے لگی ہے۔

انکا غلبہ ہماری غفلت، سہل انگیزی اور بے راہ روی کی وجہ سے ہے۔ ہم قرآن حکیم تو پڑھتے ہیں لیکن اسکو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ اسکا پیغام دانشمندی سے اخذ کرتے ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرنے کی ہمت کرتے ہیں۔ یہی حال رسول صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے سے لاپرواہی کا ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حکمت کے بغیر ہم کبھی کبھی اپنا تو لیتے ہیں لیکن وہ عمل بھی روح سے خالی ہوتا ہے۔

ایک دانشور نے کہا، ''قرآن حکیم ایک ایسی کتاب ہے کہ جو قوم بھی اسکے اصولوں پر عمل کرے گی، وہ دُنیا کی مضبوط ترین قوم بن جائے گی''۔ اگر ہم دُنیا کی کمزور ترین قوموں میں شمار ہیں تو اسکا واضح ثبوت ہے کہ ہم قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل نہیں کر رَہے اور ہم حکمت اور دانشمندی سے بالکل محروم ہو چکے ہیں، اسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہماری ڈیوٹی (Duty) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانے کے بعد ہونی چاہیے تھی، اسکو پورا کرنے کی صلاحیت کو کھو بیٹھے ہیں۔

مشورہ

قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حکمت حاصل کرنے کے لیے بنیادی طور پر دو [۲] خصوصیات کی ضرورت ہے، ایک اللہ تعالیٰ کا خوف اور دوسرا جنت کا شوق۔

قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حکمت حاصل کرنے کیلئے ایک ظاہری سبب کی انتہائی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ عربی زبان کا سیکھنا قانونی طور پر لازم قرار دے دیا جائے اور پھر اسکے معیار کو بلند کیا جائے۔ جب تک قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عربی زبان میں نہیں پڑھیں گے، قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیان کی ہوئی حکمتوں سے خالی رہیں گے اور ان دو [۲] کتابوں پر محنتِ شاقہ کے بغیر ہم دُنیا کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچانے کی اپنے میں صلاحیت پیدا نہیں کر سکتے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۵۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَتْ عِنْدَه' مَظْلِمَة'' لِاَخِیْهِ فَلْیَتَحَلَّلْه' مِنْهَا فَاِنَّه' لَیْسَ ثَمَّ دِیْنَار'' وَلَادِرْهَم'' مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّؤْخَذ لِاَخِیْهِ مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ لَه' حَسَنَات'' اُخِذَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَخِیْهِ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۱۴۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''جس شخص کے ذمّہ اسکے بھائی کا ظلم ہو، وہ اس سے معاف کروالے اس سے پہلے کہ اسکی نیکیاں اسکے بھائی کیلئے لی جائیں کیونکہ وہاں (قیامت کے دِن) کوئی درہم و دینار نہیں۔ اگر اسکی نیکیاں نہ ہوں گی تو اسکے بھائی کی بُرائیاں لے کر اس پر ڈالی جائیں گی''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ عادل ہے اور قیامت کے دِن پورا پورا عدل ہوگا۔ ہر چھوٹی بڑی نیکی اور بُرائی لکھی جارہی ہے جو کہ اُس وقت انسان کے سامنے حاضر کر دی جائے گی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْکِتٰبِ لَایُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ج وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ○'' (الکھف ۱۸، آیت ۴۹) ترجمہ ''جب قیامت کے روز نامہء اعمال رکھ دیا جائے گا تو مجرم دیکھ کر ڈرتے ہوئے کہے گا کہ ہائے میری کمبختی کہ اس نامہءِ اعمال نے تو کوئی گناہ نہیں چھوڑا، نہ چھوٹا نہ بڑا بلکہ سب کچھ لکھ دیا گیا ہے۔ تو جو کچھ انہوں نے (دُنیا میں) کیا ہوگا، وہ حاضر موجود پائیں گے اور (اسکے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا) اور تیرا رَبّ کسی پر ظلم نہیں کرے گا''۔

بچپن میں مَیں نے یہ مشاہدہ کیا تھا کہ مرنے والا شخص اگر ہوش وحواس سے مرر ہا ہوتا تھا تو وہ حاضرین کو یہ کہتا تھا کہ میرا کہا سنا معاف کر دینا۔

یہ ۱۹۶۲ء کی بات ہے کہ میرے ایک قریبی رشتہ دار معدے کے کینسر میں مبتلا تھے۔ جب انکا آخری وقت آیا تو ہم تقریباً تیس [۳۰] چالیس [۴۰] مرد اور عورتیں انکے

اِردگرد بیٹھے تھے۔ یکدم ایسے ہوا کہ انہوں نے اونچی آواز میں کہا کہ میرا آخری وقت آ گیا ہے اور جو کچھ میں نے آپ لوگوں سے کہا سنا، وہ مجھے معاف کر دینا۔ اسکے بعد وہ فوت ہو گئے۔

قیامت کے دِن جس سے بھی آپ نے بُرائی کی ہو گی، اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دلوائے گا اور جس سے آپ نے نیکی کی ہو گی، اس کا بھی آپ کو اَجر ملے گا۔ دُنیا میں بُرائی کو معاف کرا لینے سے اگر خلوص سے معافی مانگی ہے اور مظلوم نے خلوص سے معاف کر دیا ہے تو اس کی بُرائی کا کوئی حساب کتاب نہیں ہو گا۔ اگر معاف کروائے بغیر ہم مر گئے تو اس ظلم کا بدلہ اس طرح لیا جائے گا کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کے پلڑے میں ڈال دی جائیں گی۔ اگر ظالم کی کوئی نیکی نہیں ہو گی تو مظلوم کی بُرائیاں ظالم کے پلڑے میں رَکھ دی جائیں گی۔

سوال: ظلم کسے کہتے ہیں؟

اگر ہم اللہ تعالیٰ کا کوئی حق مار رَہے ہیں تو ہم ظالم ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ** ○'' (لقمٰن ۳۱، آیت ۱۳) ترجمہ ''یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے'' لہٰذا جس نے بھی چھوٹا یا بڑا اس دُنیا میں شرک کیا ہو گا، وہ قیامت کے دِن ظالموں میں شمار ہو گا اور یاد رَہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ میں سب گناہ معاف کر سکتا ہوں لیکن شرک کو معاف نہیں کروں گا۔ ''**اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ** ج'' (النساء ۴، آیت ۴۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ ہرگز شرک کرنے والے کو نہیں بخشے گا۔ اسکے علاوہ وہ جسکو چاہے، بخش دے گا''۔

اسی طرح بندوں کے حقوق مارنا ظلم ہے خواہ حق چھوٹا ہو یا بڑا مثلاً سود ایک ظلم ہے کیونکہ ہم دوسرے کا مال سود کی شکل میں ظلم سے کھا رہے ہیں، ''**وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ○'' (البقرۃ ۲، آیت ۱۸۸) ترجمہ ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ اسے حکّام تک پہنچاؤ (یعنی رشوت لو/ دو) کہ تم اس طرح لوگوں کے مال کا ایک حصہ جان بوجھ کر گناہ سے کھا جاؤ''۔

اسی طرح قرض کا اَدا نہ کرنا بھی ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق جاننے کیلئے اور بندوں کے تمام حقوق کا علم حاصل کرنے کیلئے قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ صحیح علم حاصل کرنے کیلئے یہ دونوں کتابیں عربی میں پڑھنی چاہییں لہٰذا اگر آپ خود عربی نہیں جانتے تو اپنے بچوں کو عربی پڑھانے کا انتظام کریں ورنہ قیامت کے دِن بہت خسارے میں رہیں گے۔ ان دو [۲] کتابوں کے صحیح مطالعہ کے بغیر آپکو اللہ تعالیٰ اور بندگانِ خدا کے حقوق کا علم حاصل نہیں ہوگا لہٰذا آپ شعوری یا لاشعوری طور پر اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ساری زندگی مارتے جائیں گے اور آخرت میں آپکو بہت حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۵۳: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْهَا وَاٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا رَجُلٌ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لَهٗ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَیَاْتِیْهَا فَیُخَیَّلُ اِلَیْهِ اَنَّهَا مَلْاٰی فَیَرْجِعُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ وَجَدْتُّهَا مَلْاٰی فَیَقُوْلُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَیَاْتِیْهَا فَیُخَیَّلُ اِلَیْهِ اَنَّهَا مَلْاٰی فَیَرْجِعُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ وَجَدْتُّهَا مَلْاٰی فَیَقُوْلُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَاِنَّ لَکَ مِثْلَ الدُّنْیَا وَعَشَرَةَ اَمْثَالِهَا اَوْ اِنَّ لَکَ مِثْلَ عَشَرَةِ اَمْثَالِ الدُّنْیَا فَیَقُوْلُ تَسْخَرُ مِنِّیْ اَوْ تَضْحَکُ مِنِّیْ وَاَنْتَ الْمَلِکُ فَلَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ضَحِکَ حَتّٰی بَدَتْ فَوَاجِذُهٗ وَکَانَ یُقَالُ ذَاکَ اَدْنٰی اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۱۷۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میں آخری دوزخی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا اور آخری جنتی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔ وہ آدمی ہے جو دوزخ سے سرینوں کے بل چلتا ہوا نکلے گا۔ اسکو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، 'جا جنت میں داخل ہو جا'۔ وہ جنت میں آئے گا تو وہ اسکو لوگوں سے بھری ہوئی محسوس ہوگی۔ وہ واپس ہوگا اور کہے گا، 'اے پروردگار! میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا ہے'۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، 'جا جنت میں داخل ہو جا۔ تیرے لیے دُنیا کی مثل اور اسکی دَس مثلیں اَور ہیں' یا فرمایا، 'تیرے لیے دُنیا کی دس مثلوں کی جنت ہے'۔ وہ کہے گا، 'اے میرے پروردگار! تو مجھ سے مذاق کرتا ہے' یا کہا، 'تو مجھ سے ہنسی کرتا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے اور یہ بادشاہوں کے لائق نہیں'۔ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت شریف ظاہر ہوگئے۔ کہا جائے گا، یہ شخص مرتبہ میں تمام جنتیوں سے ادنیٰ ہوگا۔

نوٹ: ایک ادنیٰ ترین جنتی کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو اس دُنیا کی کل نعمتوں سے دَس [۱۰] گنا زیادہ نعمتیں عطا فرما رہا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے اوپر مرتبہ والے جنتیوں کی نعمتیں تو شمار میں لائی ہی نہیں جاسکتیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝**'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۳۳) ترجمہ ''دوڑو (یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں نیکیاں بڑھ چڑھ کر کرو) اللہ تعالیٰ کی بخشش کے لیے اور اس جنت کی خاطر جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جیسی ہے جو کہ تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو متقین ہیں''۔ (یعنی بُرائیوں سے بچتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں)

پھر ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ۝**'' (الدھر ۷۶، آیت ۲۰) ترجمہ ''وہاں جدھر بھی تم نظر ڈالو گے وہاں نعمتیں ہی نعمتیں نظر آئیں گی اور ایک بہت بڑی سلطنت تمہارے سامنے ہوگی''۔

اگر آپ کو اس جنت کا شوق ہے تو اپنی روزمرہ کی زندگی میں صراطِ مستقیم پر چلنے کی خلوصِ نیّت سے کوشش کریں۔ تھوڑا عمل بھی اگر خلوصِ نیّت سے کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرماتا ہے لیکن ہم ہیں کہ دُنیا کے لالچ میں ایک پیسے سے لے کر اَربوں روپے تک ایسے ہڑپ کر جاتے ہیں جیسے پوری جہنم پر اپنا حق رَکھتے ہیں۔

میں نے یورپ میں دیکھا کہ ہر انسان ایک دوسرے کا کام کرتے ہوئے جو کہ دَراصل اسکی ڈیوٹی ہوتی ہے، وہ زبان سے شکریہ اَدا کرتا ہے۔ ہم یہاں خواہ کتنا ہی بڑا کام کسی کا کر دیں یا کوئی ہمارا کام کر دے، ہمیں اسکا شکریہ اَدا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ جتنا کوئی آپ سے اخلاق سے پیش آتا ہے، اتنا ہی ہم اسکو لوٹنے اور دَبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا مسلمان (مؤمن) کا رویّہ ایسا ہونا چاہیے؟

؎ یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

کتنی بدنصیبی ہے کہ وہ ذات جو ہمیں اس دُنیا میں بھی بے شمار نعمتیں عطا فرما رہی ہے اور ہمارے لیے دوسری دُنیا میں بھی اس نے اَن گنت نعمتیں تیار کر رَکھی ہیں، ہم اس

ذات کا شکر یہ اَدا کرنے سے ایسے منہ موڑ لیتے ہیں گویا کہ ہم اس سے ہر وقت ناراض رہتے ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،''وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○'' (البقرۃ ۲، آیت ۵۸) ترجمہ''ہم اچھے کام کرنے والوں کو بہت زیادہ دیں گے''۔ایک اَور جگہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا،''وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْد'' ○''(ابراہیم ۱۴، آیت ۷) ترجمہ''(اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو) کہ تمہارے رَبّ تعالیٰ نے تمہیں اطلاع دے دی ہے کہ اگر تم شکر کرو گے، تو ہم زیادہ دیں گے اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے''یعنی وہ لوگ جو ہماری نعمتوں کا شکر اَدا کرتے ہیں (یعنی ہمارے احکامات پر عمل کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انکو دیا ہے، اس پر وہ راضی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور اسکا شکر اَدا کرتے ہیں، گلہ شکوہ سے باز رہتے ہیں) ہم اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان کو انکی نیکیوں کا اَجر بڑھ چڑھ کر دیں گے۔

مشورہ:

مثال کے طور پر آپکو سخت گرمی میں پینے کیلئے ٹھنڈا پانی میسر آ جاتا ہے تو اس وقت پانی پینے کے بعد جب آپ''اَلْحَمْدُ لِلّٰه''کہیں گے تو اللہ تعالیٰ کی ذات اس شکرانے سے کتنا خوش ہوگی؟ اور آپکو دُنیا کی بے شمار نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے آپکو پہلے ہی دی ہوئی ہیں، اَور زیادہ بڑھا دے گا۔

کیا اتنی سی بات بھی آپ کیلئے مشکل لگتی ہے؟ خلوص سے آپ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا اگر شکر ادا کرتے رہیں گے تو آپکا خود مشاہدہ ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں اپنی نعمتوں میں زیادتی فرما دے گا اور آخرت کیلئے اسکا مزید اَجر محفوظ رہے گا۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۵۴: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ نَاس'' یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ هَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ؟ قَالَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِی الشَّمْسِ لَیْسَ دُوْنَهَا سَحَاب''؟ قَالُوْا لَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِی الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ لَیْسَ دُوْنَه' سَحَاب''؟ قَالُوْا لَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنَّکُمْ تَرَوْنَه' یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کَذٰلِکَ یَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ فَیَقُوْلُ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ شَیْئًا فَلْیَتَّبِعْه' فَیَتَّبِعُ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ الشَمْسَ وَیَتَّبِعُ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ الْقَمَرَ وَیَتَّبِعُ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ الطَّوَاغِیْتَ وَتَبْقٰی هٰذِهِ الْاُمَّةَ فِیْهَا مُنَافِقُوْهَا فَیَاتِیْهُمَ اللّٰهُ فِیْ غَیْرِ الصُّوْرَةِ الَّتِیْ یَعْرِفُوْنَ فَیَقُوْلُ اَنَا رَبُّکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْکَ هٰذَا مَکَانُنَا حَتّٰی یَاتِیْنَا رَبُّنَا فَاِذَا اَتَانَا رَبُّنَا عَرَفْنَاه' فَیَاْتِیْهُمُ اللّٰهُ فِیْ الصُّوْرَةِ الَّتِیْ یَعْرِفُوْنَ فَیَقُوْلُ اَنَا رَبُّکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ اَنْتَ رَبُّنَا فَیَتَّبِعُوْنَه' وَیُضْرَبُ جَسْرُ جُهَنَّمَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَاَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ یُجِیْزُ وَدُعَاءُ الرُّسُلِ یَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَبِهٖ کَلَالِیْبُ مِثْلُ شَوْکِ السَّعْدَانِ اَمَارَاَیْتُمْ شَوْکَ السَّعْدَانِ؟ قَالُوْا نَعَمْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنَّهَا مِثْلُ شَوْکِ السَّعْدَانِ غَیْرَ اَنَّهَا لَا یَعْلَمُ قَدْرَعُظْمِهَا اِلَّا اللّٰهُ فَتَخْطَفُ النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ مِنْهُمُ الْمُوْبَقُ بِعَمَلِهٖ وَمِنْهُمُ الْمُحزَوَلُ ثُمَّ یَنْجُوْ حَتّٰی اِذَا فَرَغَ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَیْنَ عِبَادِهٖ وَاَرَادَ اَنْ یُخْرِجَ مِنَ النَّارِ مَنْ اَرَادَ اَنْ یُخْرِجَه' مِمَّنْ کَانَ یَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَمَرَ الْمَلَائِکَةَ اَنْ یُخْرِجُوْهُمْ فَیَعْرِفُوْنَهُمْ بِعَلَامَةِ اَثَارِ السُّجُوْدِ وَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَی النَّارِ اَنْ تَاکُلَ

مِنِ ابْنِ اٰدَمَ اَثَرَ السُّجُوْدِ فَيُخْرِجُوْنَهُمْ قَدِ امْتُحِشُوْا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءٌ يُقَالُ لَهٗ مَاءُ الْحَيٰوةِ فَيَنْبُتُوْنَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ وَيَبْقٰى رَجُلٌ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهٖ عَلَى النَّارِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ قَدْ قَشَبَنِيْ رِيْحُهَا وَاَحْرَقَنِيْ ذَكَاؤُهَا فَاصْرِفْ وَجْهِيْ عَنِ النَّارِ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوا اللّٰهَ فَيَقُوْلُ لَعَلَّكَ اِنْ اَعْطَيْتُكَ اَنْ تَسْئَلَنِيْ غَيْرَهٗ فَيَقُوْلُ لَا وَعِزَّتِكَ لَااَسْئَلُكَ غَيْرَهٗ فَيُصْرَفُ وَجْهُهٗ عَنِ النَّارِ ثُمَّ يَقُوْلُ بَعْدَ ذٰلِكَ يَارَبِّ قَرِّبْنِيْ اِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اَلَيْسَ قَدْ زَعَمْتَ اَلَّا تَسْئَلَنِيْ غَيْرَهٗ وَيْلَكَ يَاابْنَ اٰدَمَ مَا اَغْدَرَكَ فَلَايَزَالُ يَدْعُوْ فَيَقُوْلُ لَعَلِّيْ اِنْ اَعْطَيْتُكَ ذٰلِكَ تَسْئَلَنِيْ غَيْرَهٗ فَيَقُوْلُ لَا وَعِزَّتِكَ لَااَسْأَلُكَ غَيْرَهٗ فَيُعْطِيْ اللّٰهَ مِنْ عُهُوْدٍ وَمَوَاثِيْقَ اَلَّا يَسْئَلَهٗ غَيْرَهٗ فَيُقَرِّبُهٗ اِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَاِذَا رَاٰى مَا فِيْهَا سَكَتَ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُوْلُ يَارَبِّ اَدْخِلْنِيْ الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ اَلَيْسَ قَدْ زَعَمْتَ اَلَّا تَسْئَلَنِيْ غَيْرَهٗ وَيْلَكَ يَاابْنَ اٰدَمَ مَااَغْدَرَكَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ لَا تَجْعَلْنِيْ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَلَايَزَالُ يَدْعُوْ حَتّٰى يَضْحَكَ فَاِذَا ضَحِكَ مِنْهُ اَذِنَ لَهٗ بِالدُّخُوْلِ فِيْهَا فَاِذَا دَخَلَ فِيْهَا قِيْلَ لَهٗ تَمَنَّ مِنْ كَذَا فَيَتَمَنّٰى ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ تَمَنَّ مِنْ كَذَا فَيَتَمَنّٰى حَتّٰى تَنْقَطِعَ بِهِ الْاَمَانِيُّ فَيَقُوْلُ لَهٗ هٰذَا لَكَ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَذٰلِكَ الرَّجُلُ اٰخِرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا قَالَ وَ اَبُوْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ جَالِسٌ مَعَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَا يُغَيِّرُ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ حَدِيْثِهٖ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى قَوْلِهٖ هٰذَا لَكَ وَمِثْلُهٗ مَعَهٗ قَالَ اَبُوْسَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

عَنْهُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هٰذَا لَكَ وَعَشَرَةَ اَمْثَالِهٖ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ حُفِظْتُ مِثْلَهٗ مَعَهٗ۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۱۸۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، لوگوں نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا ہم قیامت کے روز اپنے رَبّ کو دیکھیں گے؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''کیا تمہیں سورج دیکھنے میں کوئی دِقّت محسوس ہوتی ہے جبکہ اسکے آگے بادل نہ ہوں؟'' لوگوں نے عرض کیا، ''نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!''۔ فرمایا، ''کیا تمہیں چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں مشکل پیش آتی ہے جبکہ اسکے قریب بادل نہ ہوں؟'' لوگوں نے عرض کیا، ''نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!''۔ فرمایا، ''تم قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی دیکھو گے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں کوئی مشکل یا مشقت پیش نہیں آئے گی) اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا اور فرمائے گا، 'جو کوئی کسی کی عبادت کرتا تھا، وہ اسکی متابعت کرے (یعنی اسکے پیچھے چلا جائے)'۔ پس جو سورج کی عبادت کرتا تھا، وہ سورج کا پیچھا کرے گا اور جو کوئی چاند کی پوجا کرتا تھا، وہ چاند کا پیچھا کرے گا اور جو کوئی بتوں کا پجاری ہوگا، وہ انکے پیچھے چلا جائے گا۔ یہ اُمّت باقی رہ جائے گی۔ اس میں منافق بھی ہوں گے، انکے پاس اللہ تعالیٰ ایسی صورت کے علاوہ جس صورت میں وہ پہچانتے تھے، ظہور فرمائے گا اور فرمائے گا، 'میں تمہارا رَبّ ہوں'۔ وہ کہیں گے '[نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ] ہم تجھ سے پناہ چاہتے ہیں، ہماری جگہ یہ ہے اور ہمارا رَبّ یہاں ہی ظہور فرمائے گا۔ جب وہ ظہور فرمائے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے'۔ پس اللہ تعالیٰ ایسی صورت میں ظہور فرمائے گا جسے وہ پہچانتے تھے اور فرمائے گا، 'میں تمہارا رَبّ ہوں'۔ وہ کہیں گے، 'تو ہمارا رَبّ ہے'۔ وہ اسکی اتباع کریں گے اور جہنم پر پُل رکھ دیا جائے گا''۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''میں سب سے پہلے اس پر سے گزروں گا۔

اس روز رسولوں کی دُعا یہ ہوگی ،'اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ وَ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ ''اے اللہ جل جلالہٗ! سلامتی سے گزار دے، اے اللہ جل جلالہٗ! سلامتی سے گزار دے' اور پل کے ساتھ سعدان کے کانٹوں کی طرح کانٹے ہوں گے۔ کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟'' لوگوں نے کہا،'' کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! (ہم نے شوکِ سعدان دیکھے ہیں)''۔ فرمایا،'' وہ کانٹے سعدان کے کانٹوں کی مثل ہوں گے اور انکی بڑائی کی مقدار صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے (یعنی بہت بڑے ہوں گے)۔ وہ لوگوں کو انکے اعمال کے مطابق پکڑیں گے اور ان میں سے بعض تو اپنے عمل کے باعث ہلاک ہو جائیں گے اور بعض کاٹے جائیں گے پھر نجات پا جائیں گے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلہ سے فارغ ہوگا اور ارادہ فرمائے گا کہ دوزخ سے ان لوگوں کو نکالے جو یہ گواہی دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بَرحق معبود نہیں تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ انکو نکالیں۔ فرشتے سجدہ کے نشانوں کی علامت سے انہیں پہچانیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ آدم کے بیٹے کو سجدہ کے نشان سے کھائے۔ فرشتے انکو (دوزخ سے) نکالیں گے حالانکہ وہ جل کر کوئلہ کی طرح ہو گئے ہوں گے۔ پس ان پر پانی ڈالا جائے گا جسے آبِ حیات کہا جاتا ہے تو وہ ایسے تازہ ہو جائیں گے جیسے سیلاب کے خس وخاشاک میں سے دانہ اُگتا ہے۔ ان میں سے صرف ایک آدمی باقی رہ جائے گا جو اپنا چہرہ دوزخ کی طرف کرنے والا ہوگا۔ وہ کہے گا،'اے میرے پروردگار! مجھے دوزخ کی گرم ہوا نے جھلسا دیا ہے اور اسکی تیزی نے جلا دیا ہے، میرا چہرہ دوزخ سے پھیر دے'۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا،'یقیناً اگر میں تجھے یہ دوں تو اس کے علاوہ تو اَور سوال کرے گا'۔ وہ کہے گا، 'اے میرے پروردگار! تیری عزت اور بزرگی کی قسم! اس کے علاوہ میں تجھ سے کوئی سوال نہ کروں گا'۔ پس اللہ تعالیٰ اسکا چہرہ دوزخ سے پھیر دے گا۔ پھر اس کے بعد وہ کہے گا،'اے میرے پروردگار! مجھے جنت کے دروازہ کے قریب کر دے'۔ اللہ تعالیٰ

فرمائے گا، 'کیا تو نے نہیں کہا تھا کہ اسکے علاوہ مجھ سے کوئی سوال نہیں کرے گا؟ اے آدم کے بیٹے! تیرے لیے ہلاکت ہو، تو کتنا عہد شکن ہے'۔ وہ دُعائیں کرتا رہے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، 'یقیناً اگر میں تجھے یہ دے دوں تو اسکے علاوہ تو اَور سوال کرے گا؟' وہ کہے گا، 'تیری عزت اور بزرگی کی قسم! میں اس کے علاوہ اَور کوئی سوال نہیں کروں گا'۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مضبوط عہد و پیمان دے گا کہ وہ اسکے علاوہ کوئی دوسرا سوال نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازہ کے قریب فرمادے گا۔ جب وہ جنت کی اشیاء دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ سے وعدے کے مطابق خاموش رہے گا لیکن پھر کہے گا، 'اے میرے پروردگار! مجھے جنت میں داخل فرمادے'۔ اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا، 'کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ تو اسکے علاوہ اَور کوئی سوال نہیں کرے گا؟ اے ابن آدم! تیرے لیے ہلاکت ہو، تو کتنا عہد شکن ہے'۔ وہ کہے گا، 'اے میرے پروردگار! مجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے بڑا بد بخت نہ فرما'۔ وہ دُعائیں کرتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے گا۔ جب اس سے راضی ہو جائے گا تو اسکو جنت میں داخل ہونے کی اجازت عطا فرمادے گا۔ جب وہ جنت میں داخل ہوگا تو اس سے کہا جائے گا، 'ایسی ایسی شے کی خواہش کر'۔ وہ خواہش کرے گا۔ پھر اسے کہا جائے گا، 'تو ایسی ایسی شے کی خواہش کر'۔ وہ پھر خواہش کرے گا حتیٰ کہ اسکی ساری خواہشیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، 'یہ تیرے لئے ہے اور اسکے ساتھ اسکی مثل مزید تیرے لئے ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''یہ سب سے آخری جنتی جنت میں داخل ہوگا''۔ حضرت عطاء نے فرمایا، ''جبکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ اسکی حدیث شریف میں کسی شے کی تردید نہ فرماتے تھے۔ یہاں وہ اس کلام ''یہ تیرے لئے ہے اور اسکے ساتھ اسکی مثل مزید تیرے لئے ہے'' تک پہنچے تو حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''یہ

تیرے لئے ہے اور اس سے دَس [۱۰] گنا اَور تیرے لئے ہیں''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے تو اسکے ساتھ اسکی مثل محفوظ کی ہے''۔

نوٹ: یہ حدیث شریف قیامت کے تذکرہ میں گذشتہ حدیث شریف کی نسبت زیادہ مفصل ہے، اس پر مزید نوٹ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۵۵: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۱۹۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے''۔

نوٹ: دُنیا میں تین [۳] مساجد ہیں جو فضیلت کے اعتبار سے دُنیا کی باقی تمام مساجد سے افضل ترین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پچاس ہزار [۵۰,۰۰۰] نمازوں کے برابر، میری مسجد (مسجد نبوی شریف) میں ایک نماز پچاس ہزار [۵۰,۰۰۰] نمازوں کے برابر اور مسجد الحرام میں ایک نماز ایک لاکھ [۱,۰۰,۰۰۰] نمازوں کے برابر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، جلد اوّل، باب ''مساجد اور اوقاتِ نماز'' (ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ مسجد نبوی کا ایک حصّہ ہے تو لہٰذا اگر آپ مسجد نبوی میں نماز کا شوق رکھتے ہیں اور آپ منبر اور روضہ ءِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کھڑے ہیں تو آپکو ایک طرف پچاس ہزار [۵۰,۰۰۰] نمازوں کا ثواب مل رہا ہے [نماز بھی جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مؤمن کا افضل ترین عمل نماز اوّل وقت میں پڑھنا ہے''۔ (ترمذی، جلد ۱، حدیث شریف ۱۴۶) اور فرمایا کہ ''جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو پھل کھایا کرو''۔ لوگوں نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جنت کے باغ کیا ہیں اور اسکا پھل کیا چیز ہے؟'' سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جنت کے باغ مساجد اور پھل سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کا ذِکر ہے'' (ترمذی)] اور دوسری طرف آپکے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ مبارک اور منبر اعلیٰ موجود ہیں جو کہ آپکو نظر آ رہے ہیں۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل سیرت یعنی انکی گھریلو

زندگی اور سماجی زندگی دونوں ہی آپکے ذہن میں تازہ ہو جاتی ہیں اور آپکو عملی زندگی میں صراطِ مستقیم پر چلتے رہنے کی یاددہانی ہوتی رہتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبرستان کی زیارت کیا کرو، اس سے تمہیں موت یاد آئے گی یعنی جب آپ موت کو یاد رکھیں گے تو بہت سی بُرائیوں سے بچنے کی توفیق مل جائے گی۔

لہٰذا اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ اگر آپ نے جنت حاصل کرنی ہے تو میری گھر کی زندگی اور میری معاشرتی زندگی جس کے کئی شعبے ہیں، تمہارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اہل خانہ سے بھی بہترین برتاؤ رکھو اور معاشرے میں بھی لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا دھیان رکھو اور اپنا کردار ایک مؤمن کی حیثیت سے پوری طرح اَدا کرو تو پھر تم جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کے وارث بن جاؤ گے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۵۶: عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَاعَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) لَاتَسْئَلِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّکَ اِنْ اُوْتِیْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وَکِّلْتَ اِلَیْهَا وَاِنْ اُوْتِیْتَهَا مِنْ غَیْرِ مَسْئَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَیْهَا وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَأَیْتَ غَیْرَهَا خَیْرًا مِنْهَا فَکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ وَائْتِ الَّذِیْ هُوَ خَیْر''۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۲۲۰)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ ''امارت (Leader Ship) طلب نہ کر کیونکہ اگر طلب کرنے سے امارت تجھے دی گئی تو تُو اس کے سپرد کر دیا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ مدد نہیں فرمائے گا) اور اگر طلب کیے بغیر تجھے دی گئی تو تیری مدد کی جائے گی (یعنی اللہ تعالیٰ تیری مدد فرمائے گا) اور جب کوئی قسم کھائے اور پھر اس سے بہتر بات (معاملہ) نظر آئے تو اپنی قسم توڑ دے اور کفارہ دے دے اور بہتر بات کو اپنا لے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں دو [۲] باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، ایک یہ کہ حکومتی منصب خود نہیں مانگنا چاہیے۔ اگر آپ کو خود مانگنے سے منصب دے دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنی مدد روک لے گا اور آپکو آپ کے حال پر چھوڑ دے گا (یعنی شیطان کے حال پر چھوڑ دے گا)۔ اگر حاکمِ اعلیٰ آپ کو خود منصب عطا کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔ اس حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا ایک ضابطہ جبکہ آپ لیڈر بن رہے ہیں یا بنائے جا رہے ہیں، بتا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ بدلا نہیں کرتا۔ یہ ایک آفاقی سچائی (Universal Truth) ہے۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ ہمارے لیڈر سیاسی ہوں یا غیر سیاسی، منصب حاصل کرنے کیلئے کتنی جائز و ناجائز کوششیں کرتے ہیں اور میرا مشاہدہ ہے اور آپکا بھی یہی ہوگا کہ کوئی لیڈر اپنے دورانِ حکمرانی یا دورانِ منصب عوام کی قبولیت حاصل نہیں کر سکا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں اور میرے چچا کے بیٹوں سے دو[۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ان میں سے ایک عرض گی،''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہمیں کہیں کا امیر بنا دیجئے''۔دوسرے نے بھی یہی بات کہی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا،''خدا کی قسم! ہم اس کام پر کسی کو حاکم نہیں بنایا کرتے جو اسکا سوال کرتا ہے یا اسکی طمع رکھتا ہے''۔دوسری روایت میں فرمایا، ''ہم اپنے کام پر ایسے شخص کو عامل نہیں بناتے جو اسکا ارادہ کرے''۔(مشکوٰۃ شریف،جلد دوم،حدیث۳۵۱۲[متفق علیہ])

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا،''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے عامل مقرر نہیں فرماتے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دست کرم میرے کندھے پر رکھتے ہوئے فرمایا،''اے (حضرت) ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم کمزور ہو اور یہ امانت ہے جو قیامت کے روز رسوائی اور ندامت ہوگی، ماسوائے اسکے جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور اسکی ذمہ داریاں پوری کیں''۔دوسری روایت میں ان سے فرمایا،''میں تمہیں کمزور دیکھتا ہوں۔ میں تمہارے لیے وہی چاہتا ہوں جو اپنے لیے چاہتا ہوں۔دو[۲] آدمیوں کا بھی امیر نہ بننا اور نہ یتیم کے مال کا متولی ہونا''۔(مشکوٰۃ شریف،جلد دوم،حدیث۳۵۱۱[مسلم])

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا،''اے (حضرت) عبدالرحمٰن بن سمرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تم حکومت (حکمرانی) طلب نہ کرنا کیونکہ اگر تم کو طلب کرنے اور مانگنے سے حکومت ملے گی تو تمہیں اس بارے میں تم کو تمہارے حوالے کر دیا جائے گا (یعنی تم کو مددِ الٰہی حاصل نہیں ہوگی) اور اگر تم کو حکومت بغیر طلب کے ملے تو اس بارے میں تمہاری مدد کی جائے گی'' (یعنی اس وقت تم حکومت لے سکتے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی)۔(ابوداؤد،جلد دوم،حدیث۱۱۵۵)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا،''جب اللہ تعالیٰ کسی حکمران کیلئے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسکو سچا (دیانت دار) وزیر عطا فرما دیتے ہیں۔اگر حاکم کو فیصلہ میں بھول ہو جاتی

ہے تو وہ وزیر اسکو یاد دہانی کراتا ہے اور اگر حاکم کو خود یاد رہتا ہے تو وہ وزیر اسکی مدد کرتا رہتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی حاکم کے ساتھ اسکے برعکس معاملہ کا ارادہ کرتا ہے تو اسکو بُرا وزیر دے دیتا ہے۔ اگر حاکم کچھ بھول جاتا ہے تو وہ اسکو یاد دہانی نہیں کراتا۔ اگر حکمران خود یاد رکھتا ہے تو وہ اسکی مدد نہیں کرتا''۔ (ابوداؤد، جلد دوم، حدیث ۱۱۵۷)

حضرت خیثمہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو قضاء کے عہدے پر فائز ہونا چاہتا ہے اور اسکے لیے سفارشیں کرواتا ہے، اسے اسکے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم رہتا ہے اور شیطان کے زیر اثر آجاتا ہے) جسے حکمران از خود منصب پر فائز کرتا ہے، اسکی مدد کیلئے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ اُتارتا ہے (یعنی یہ فرشتہ اسکو غلط راستے سے بچنے کیلئے مدد کرتا ہے اور شیطان کے اثر سے محفوظ رکھتا ہے)''۔ (ترمذی، جلد اوّل، باب الاحکام)

حدیث شریف کا دوسرا جز قسم کے متعلق ہے۔ ایک تو ہمیں قسمیں کھانے کی بہت عادت ہے، اس عادت کو چھوڑنا چاہیے۔ دوسرا اگر قسم ایسی کھالی ہے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ کام کرنا نہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے تو پھر وہ کام کر لینا چاہیے اور قسم کا کفارہ اَدا کر دینا چاہیے۔

آپ ذرا غور کریں کہ ہمارے حکمران خود کیسے بنتے ہیں اور وہ کیسے لوگوں کو منصب عطا کرتے ہیں، یہ سراسر ان احادیث شریف کے خلاف ہے اور بہت ہی جاہلانہ، باطلانہ اور ظالمانہ طریقہ ہے۔ پورا طرزِ حکمرانی جسکو یہ لوگ جمہوریت کہتے ہیں، انتہائی غیر جمہوری ہے اور قیامت کے روز ہر منصب دار سے اسکے منصب کی ادائیگی کے متعلق پوچھا جائے گا کہ آیا اس نے امانت سے یا خیانت سے اپنے منصب کی ڈیوٹی کو سرانجام دیا۔ زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، زمینی حقائق آپکے سامنے ہیں۔ ان حالات میں باوجود کروڑوں انسانوں کی بلامبالغہ روزانہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق دعائیں کیسے قبول ہوں؟ **وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن**

○.....○.....○

حدیث ۵۷: عَنْ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ وَاَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ جَوَّاظٍ عُتُلٍ مُسْتَكْبِرٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۲۷۷)

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وھب خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، ''کیا میں تمہیں اہل جنت کا نہ بتلاؤں؟ ہر وہ کمزور اور ناتواں اگر وہ کسی بات پر اللہ جل جلالہٗ کی قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اسکو پورا فرما دیتا ہے۔ کیا دوزخیوں کی خبر نہ دوں؟ ہر وہ شخص ہے جو فخر سے چلتا ہے، بدخلق اور متکبر ہے''۔

نوٹ: یہ حدیث شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی عکاسی کرتے ہوئے ہمیں بتلاتی ہے کہ معاشرتی زندگی میں کمزور انسان جو مال اور اقتدار سے محروم ہوتے ہیں، وہ جنتی لوگ ہیں۔ اس زمانہ میں ہر مؤمن اِسلام کے بنیادی پانچ [۵] ستونوں پر پوری طرح کاربند تھا۔ وہ **لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰه** کو دِل وجان سے قبول کرتے تھے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج اَدا کرنے میں کوئی سستی اور کاہلی نہیں برتتے تھے اور جہاد کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ **سچ بولنا انکا خاص وصف تھا**۔ صدقہ وخیرات بے دریغ دیتے تھے۔ وہ اخلاق کے اعلیٰ درجوں پر تھے۔ بھائی بھائی بن کر رہتے تھے۔ دوسروں کی مصیبت کو اپنی مصیبت اور دوسروں کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے تھے۔ وہ دوسروں کیلئے وہی پسند کرتے تھے جو وہ اپنے لیے پسند کرتے تھے۔ جھوٹے مقدمے، جھوٹی شہادتیں، چوری، ڈاکہ بہت ہی کم نظر آتا تھا۔ چھوٹی بات سے لے کر بڑی بات تک ہر چھوٹا بڑا ایک دوسرے کا احترام کرتا تھا۔ اکثر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین رات کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے تھے اور صبح ہونے پر مغفرت کیلئے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''**كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○**'' (الذّٰریٰت ۵۱، آیات ۱۷-۱۹) ترجمہ ''رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے اور انکے مال میں حق رہتا تھا سوالی اور غیر سوالی (سب) کا''۔ ان

صفات کے ساتھ اگر ایک انسان معاشرے میں دُنیاوی وسائل یعنی مال، اولاد اور اقتدار نہیں رَکھتا اور ان نعمتوں سے اور دُنیا کی باقی نعمتوں سے محروم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ دُنیا میں اس محرومی کے بدلے میں اسکو جنت میں کثیر نعمتوں سے نوازے گا۔

نوٹ: منافقین، گو وہ قانونی طور پر مسلمان تھے لیکن مؤمن نہیں تھے، وہ اس حدیث شریف کے زمرے میں شامل نہیں ہیں کیونکہ انکا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ وہ جہنمی لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے، ''اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ۝'' (النساء۴، آیت ۱۴۵) ترجمہ ''منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم انکا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے''

حدیث شریف میں ہے کہ جسکے دِل میں رائی کے برابر تکبر ہے، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں تکبر کرنے والوں کے متعلق یوں فرماتا ہے، ''وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝'' (الحدید ۵۷، ایت ۲۳) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتا جو اپنے آپکو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں''۔

اخلاق کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''دو [۲] خصلتیں ہیں جو کسی مؤمن میں نہیں ہوسکتیں، ایک بخل اور دوسری بداخلاقی'' (جامع ترمذی، حدیث ۱۷۹۲) یعنی مؤمن نہ تو بخیل ہوسکتا ہے اور نہ ہی بداخلاق۔

یاد رَکھیے کہ اس دُنیا میں وہ کام جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے، وہ جنت کو لے جانے والے ہیں اور جن کاموں سے وہ ناخوش ہوتا ہے، جہنم کو لے جانے والے ہیں۔

ایسے تمام کام قرآن کریم اور حدیث شریف کی ہر کتاب میں موجود ہیں، انکو اُٹھایئے اور معلوم کریں کہ کون سے کام ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور کون سے کام ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

آج کل کے کمزور انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے کمزور انسانوں کے مقابلے میں بہت مختلف ہیں۔ آج کل وہ دِین اسلام کے پانچ [۵] بنیادی ارکان پر شاید ہی توجہ دیتے ہیں۔ صرف لفظی طور پر کلمہ گو ہونے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا

محبوب ترین عمل یعنی نماز بھی نہیں پڑھتے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو کم از کم اسلام کے پانچ [۵] ارکان پر پابندی سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرما کر انکو جنت میں وہ نعمتیں عطا فرمائے جن سے وہ یہاں محروم ہیں۔

جہاں تک ہمارے معاشرے میں متکبرین کا سوال ہے تو وہ بہت اکثریت میں وہ لوگ ہیں جو سرکاری یا غیر سرکاری سطح پر وی آئی پی (V.I.P) کہلائے جاتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے تکبر کو چھوڑ کر عوام الناس کے حقوق اَدا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی بھی مغفرت فرما دے اور وہ بھی جنت کے وارث بن جائیں گے لیکن متکبرین کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی گردن کو جھکانے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ○'' (یٰسین ۳۶، آیت ۸) ترجمہ ''(اور وہ کافرین متکبرین ایسے ہیں گویا کہ) ہم نے انکی گردنوں میں لوہے کے پٹے (Iron Color) ڈالے ہوئے ہیں جو کہ ٹھوڑیوں تک ہیں اور اسلئے انکے سر اوپر اُٹھے رہتے ہیں یعنی انکی پیشانی جھک نہیں سکتی''۔ ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ متکبرین کے بارے میں یوں فرماتا ہے، ''یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ○ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ○'' (القلم ۶۸، آیاتِ مبارکہ ۴۲-۴۳) ترجمہ ''جس روز سخت وقت آئے گا یعنی قیامت اور لوگوں کو سجدہ کرنے کیلئے بلایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ انکی نگاہیں جھکی ہوں گی، ذِلّت ان پر چھا رہی ہوگی۔ یہ جب صحیح سالم تھے، اس وقت انہیں سجدے کیلئے بلایا جاتا تھا'' (لیکن اپنے تکبر کی وجہ سے وہ اپنی پیشانیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکانے سے اجتناب کرتے تھے)

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ وہ اتنے متکبر ہیں گویا کہ انکی گردنیں پٹوں (Iron Color) میں ایسے جکڑی ہوئی ہیں کہ اگر وہ اپنی پیشانی جھکانا بھی چاہیں تو نہیں جھکا سکتے اور انکی کمر (Back) بھی اتنی سخت ہے کہ اگر وہ سجدہ کیلئے جھکنا بھی چاہتے ہیں تو بھی تکبر کی وجہ سے نہیں جھک سکتے۔

کیا یہی حال ہمارے لیڈروں کا نہیں ہے؟ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ

حدیث ۵۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ"۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۲۹۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''دو کلمے زبان پر ہلکے، ترازو میں بھاری اور اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں، وہ یہ ہیں ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کو اپنی تعریف کے یہ دو [۲] کلمات بہت محبوب ہیں۔ اگر ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپکو محبوب بنالے گا۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا صرف انسان کا ہی خاصہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں، خواہ وہ ہمارے سامنے زندہ ہے جیسے انسان اور جاندار، خواہ وہ مردہ ہے جیسے پہاڑ، پتھر، مٹی، چاند، ستارے وغیرہ، وہ سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، '' **تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ط اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ○** '' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۴۴)

ترجمہ ''تسبیح کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں موجود ہے اور کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو تعریف کے ساتھ اسکی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم انکی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ وہ یقیناً بہت ہی کریم اور بہت بڑا بخشنے والا ہے''۔

حضرت یُسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ایک مہاجرہ صحابیہ ہیں، روایت فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، ''تم عورتوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل اور تقدیس کرتی رہا کرو، ان سے کبھی غفلت نہ کرنا ورنہ رحمتِ خداوندی تم کو فراموش کر دے گی اور انگلیوں سے گنا کرو کیونکہ (قیامت کے روز) ان سے بھی سوال کیا جائے گا اور انہیں زبان عطا کی جائے گی''۔ (ابوداؤد، ترمذی [از اذکارِ مسنونہ حافظ ابن قیم])

یہاں تسبیح کا مطلب **سُبْحَانَ اللّٰه**، تہلیل کا مطلب **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه**، تقدیس

کا مطلب سُبُّوح، قُدُّوس، رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوح ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''شب معراج میں جب میری ملاقات (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی اُمّت کو میرا سلام فرمانا اور یہ فرمانا کہ جنت کی نہایت عمدہ پاکیزہ مٹی ہے اور بہترین پانی لیکن وہ بالکل چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے (درخت) سُبْحَانَ اللّٰہ وَالْحَمْدُ لِلّٰہ وَلَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر ہیں''۔ (جتنے کسی کا دِل چاہے درخت لگالے) (فضائل ذِکر از مولانا محمد زکریا کاندھلوی [ترمذی])

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۵۹: عَنْ زَهْدَمُ بْنُ مُضَرِّبٍ قَالَ سَمِعْتُ عِمْرَانَ ابْنَ حُصَيْنٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَاادْرِيْ ذَكَرَ ثِنْتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا بَعْدَ قَرْنِهٖ ثُمَّ يَجِيْئُ قَوْمٌ يُنْذُرُوْنَ وَلَايَفُوْنَ وَيَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَيَشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ وَيَظْهَرَ فِيْهِمُ السِّمَنُ۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۳۱۱)

ترجمہ: حضرت زہدم بن مضرّب نے فرمایا، میں نے حضرت عمران بن حصین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث شریف بیان فرماتے ہوئے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تم میں سے (یعنی آئندہ آنے والے دُنیا کے تمام انسانوں سے) بہتر لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ جوان سے متصل (تابعی) ہیں پھر وہ جوان سے متصل (تبع تابعی) ہیں''۔ حضرت عمران نے فرمایا، ''میں نہیں جانتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے زمانے کے بعد دو [۲] یا تین [۳] کو ذِکر فرمایا پھر وہ لوگ آئیں گے جو نذر مانیں گے اور انکو پورا نہیں کریں گے (یعنی اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کے خلاف کریں گے)، خیانت کریں گے، امانت کی حفاظت نہیں کریں گے (یعنی وہ خائن ہوں گے)، وہ گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی، ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا''۔

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے کے لوگوں (یعنی مؤمنین) کی خصوصیات یہ تھیں:

[۱] اکثریت سچ بولنے والوں کی تھی اور حق پر جان دے دیتے تھے۔

[۲] اکثریت میں امین تھے، امانتوں کی حفاظت کرتے تھے اور لوگوں کی امانتیں پوری طرح واپس لوٹاتے تھے۔

[۳] وہ اپنی نذریں پوری کرنے والے تھے (یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کرتے تھے نذر کے طور پر، اسکو جلدی پورا کر دیتے تھے)

[۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں کسی کی گواہی دینا بہت بڑی ذمّہ داری سمجھی جاتی تھی۔ صرف اتنی گواہی دیتے تھے جتنا وہ جانتے تھے اور جب تک ان کو نہیں بلایا جاتا تھا، وہ گواہی دینے سے پرہیز کرتے تھے۔ یہاں معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے متعلق گواہی دینے کیلئے کہا جاتا ہے جو گواہی کو ایک پیشہ بنا لیتے ہیں اور دوسرے سے پیسے دے کر جس طرح کی چاہیں، ان سے گواہی لے لی جاتی ہے یعنی وہ جھوٹے گواہ ہوں گے۔

[۵] حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اکثریت مال کے بارے میں لالچی نہیں تھی۔ وہ اکثر اوقات خود کھانے کے بجائے بھوکوں کو کھلانے میں خوشی محسوس فرماتے تھے۔

[۶] انکا رات دِن کا معمول عبادات میں ریاضت کرنا تھا مثلاً بہت تہجد گزار اور روزہ دار تھے۔

[۷] تلاوتِ قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم پر مضبوطی سے عمل کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کیلئے بھوکے ننگے لمبے لمبے سفر فرماتے تھے۔

[۸] وہ بہت غور وفکر فرمانے والے تھے۔

[۹] قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر فوری عمل فرمانے والے تھے۔ جب قبلہ کی تبدیلی کا حکم آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اسی وقت نماز کے دوران ہی رُخ بدل لیا۔ جب یہ خبر ایک دوسری مسجد میں پہنچی تو اس وقت نمازی جماعت میں تھے۔ انکو جب اطلاع دی گئی تو انہوں نے بھی جماعت کی حالت میں ہی اپنے رُخ بدل لیے۔ (ترمذی، حدیث ۲۹۶)

[۱۰] وہ جہاد (یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال) کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد اُمّت میں حق پر چلنے اور امانت کے اَدا کرنے میں کمی آتی گئی اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ دوسری اخلاقی بُرائیاں بھی ظاہر ہونے لگیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تین [۳] زمانوں کے بعد اُمّت کے لوگوں میں اکثریت ایسی ہوگئی اور یہ اکثریت روز بروز بڑھتی جارہی ہے حتیٰ کہ آج کل کوئی ایک شخص بھی صحیح راستے پر چلنے والا نظر نہیں آتا۔ اب اکثریت ایسی ہے کہ :

[۱] جھوٹ بولتے ہیں۔

[۲] خیانت کو معمولی سمجھتے ہیں۔

[۳] اللہ تعالیٰ سے نذر کا وعدہ کرکے پورا نہیں کرتے۔

[۴] جھوٹی گواہی کا رواج عام پڑ گیا ہے اور اسکو معمولی سمجھا جاتا ہے۔

[۵] مال کی طمع بڑھ گئی ہے اور صدقہ وخیرات سے ہاتھ روک لئے ہیں۔

[۶] عبادات میں سستی، کاہلی آ گئی ہے اور خشوع وخضوع نام کو نہیں رہا۔

[۷] تبلیغ کیلئے سفر کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم اور اس پر محنت کرنا انتہائی کم ہوگیا ہے۔

[۸] علمی بحثوں کا رواج زیادہ پڑ گیا ہے اور احکاماتِ دِین پر عمل کم ہوگیا ہے

بعد کے زمانوں میں موٹاپا اسلئے ظاہر ہوگیا کہ دُنیا کی ہوس میں زیادتی ہوگئی، زندگی میں کھانا پینا ایک مقصود بن گیا اور دِین کی تعلیم اور اس میں غور وفکر کم ہوتا گیا۔ تبلیغ کیلئے سفر کرنے کے بجائے مسجدوں میں بیٹھ کر مجمعوں اور وعظوں کا رواج پڑ گیا۔

میڈیکل سائنس کی ریسرچ کے مطابق جو انسان دماغی غور وفکر میں مصروف نہیں ہوتا، اسکی توانائی کم صَرف ہوتی ہے اور جسم میں چربی جمع ہوتی رہتی ہے۔ انسانی جسم کا سب سے زیادہ توانائی کو استعمال کرنے والا عضو انسانی دماغ ہے۔ جو لوگ اپنے دماغ کو غور وفکر میں مصروف نہیں رَکھتے، دیکھا گیا ہے کہ انکا وزن معمول سے زیادہ ہوتا ہے۔ موٹاپے کو کم کرنے کیلئے دوسری چیز جسمانی مشقت ہے۔ تین [۳] زمانوں کے بعد سہل انگیزی نے لوگوں کو گھروں اور مدرسوں سے باہر نکلنے سے روک دِیا تو حدیث شریف میں موٹاپے کا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ نہ تو دِین میں غور وفکر کریں گے اور نہ ہی تبلیغ کیلئے سفر کریں گے لہٰذا دِین پر محنت کرنے کا انحطاط روز بروز بڑھتا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پوری اُمّت جہاد میں شامل ہوتی تھی، بعد میں جہاد کا ایک محکمہ یعنی فوج معرضِ وجود میں آ گیا۔ باقی اُمّت اس فضیلت اور جسمانی وفکری فائدے سے محروم ہوگئی۔

آج کل یہ باتیں بالکل واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا آدمی نظر آئے جو سچ بول رہا ہو، امانت دار ہو، قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غور و فکر کرنے والا ہو، تبلیغ کیلئے دُور دراز سفر کرتا ہو، دُنیا کا لالچ نہ رَکھتا ہو۔ جھوٹی گواہی کا تو ہمارے ہاں اتنا عام رواج پڑ گیا ہے کہ عدالتوں میں جائیں تو تقریباً سب گواہ ایسے بنائے ہوتے ہیں جن کو حقائق کا کوئی علم نہیں ہوتا، نہ ہی موقع واردات پر وہ موجود تھے لیکن گواہی دینے کیلئے پولیس یا فریق مقدمہ انکو تیار کر لیتے ہیں، یہ سب کچھ رشوت سے ہورَہا ہے۔ اگر ہم اپنے زمانے کے لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے لوگوں سے موازنہ کریں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نام تو مسلمانوں جیسے ہیں لیکن کام اُس وقت کے یہود اور نصاریٰ جیسے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم میں ہر وہ بُرائی پیدا ہو چکی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مشرکین، یہود اور نصاریٰ میں تھی۔ ایسی صورت میں کیا ہم اپنے آپکو مؤمن کہہ سکتے ہیں؟

حدیث شریف ظاہری طور پر یوں لگتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک پیشین گوئی فرمارہے ہیں لیکن میرے نزدیک دَراصل وہ ہمیں ایک شائستہ پیرائے میں تنبیہ فرمارہے ہیں کہ دیکھنا تین [۳] زمانوں کے بعد تمہارے اعمال ایسے نہ ہو جائیں کہ ہر اخلاقی بُرائی تم میں پیدا ہو جائے۔ اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ میری سنت پر چلنے کی کوشش کرنا لیکن ہم ہیں کہ قرآن کریم بغیر سمجھ کے پڑھتے ہیں، حدیث شریف کی کتاب ہم شاذ و نادر ہی اُٹھاتے ہیں۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگیوں کے متعلق کتابیں تو شاید چند ہی گھروں میں ہوں گی۔ امورِ دُنیا اور دُنیا میں ہم ایسے مصروف ہیں کہ دِین کا جو تھوڑا بہت علم ہم رَکھتے ہیں، اس پر بھی عمل کرنے کا ذرا دھیان نہیں کرتے۔ اسکا نتیجہ آپکے سامنے ہے۔ ذِلّت، پستی، پریشانی اور قدرتی اور غیر فطری حوادثات سے ہم روزمرہ دوچار رہتے ہیں۔ اسکا علاج صرف ایک ہی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی زندگیوں کو مشعلِ راہ بنائیں۔ انکی زندگیوں کی بنیاد قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تھی۔ اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دُور کرنے اور اسکی رَضا حاصل کرنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

ہم نے دُنیا کو ہی مقصودِ زندگی بنالیا ہے حالانکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ یہاں کی زندگی چندروزہ ہے۔ روزانہ ہی ہمارے سامنے کئی لوگ آخرت کو سدھار جاتے ہیں لیکن ہم ہیں کہ آخرت ہمیں پھر بھی یاد نہیں آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قبروں کی زیارت کیا کرو، اس سے تمہیں موت یاد آئے گی۔

مشورہ:

اگر آپ نے دائمی راحت حاصل کرنی ہے تو اپنی زندگی کے رُخ کو بتدریج آخرت کی طرف مائل کریں۔ عربی زبان سیکھنے کا تہیہ کریں۔ جب تک قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم براہِ راست عربی زبان میں نہیں پڑھیں گے، انکی گہرائی سمجھ میں نہیں آئے گی اور عمل کرنے کا شوق اسی لیے نہیں پیدا ہوتا کہ ہم قرآن حکیم کو یا تو بغیر سمجھ کے پڑھتے ہیں یا اُردو ترجمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس میں بھی ہم غور و فکر نہیں کرتے۔ جب تک غور و فکر نہیں کیا جائے گا، حق اور باطل میں تمیز کرنا انتہائی مشکل ہوگا اور عمل کی ترغیب پیدا نہیں ہوگی۔ اگر آپکو جنت کا شوق اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہے تو قرآن حکیم کی ان آیات مبارکہ کو یاد رکھیں، ''**وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○**'' (البقرۃ ۲، آیت ۴۵) ترجمہ ''(ہر سازگار اور ناسازگار اوقات پر) صبر اور نماز سے (اللہ تعالیٰ کی) مدد حاصل کرو اور وہ (یعنی نماز) یقیناً لوگوں پر بھاری ہے سوائے انکے جو اللہ رَبّ العزت کا خوف رَکھتے ہیں''، ''**وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ لا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○**'' (آلِ عمران ۳، آیت ۱۳۳) ترجمہ ''دوڑو (یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں نیکیاں بڑھ چڑھ کر کرو) اللہ تعالیٰ کی بخشش کیلئے اور اس جنت کی خاطر جسکی وسعت آسمانوں اور زمین جیسی ہے جو کہ تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو متقین ہیں'' (یعنی بُرائیوں سے بچتے ہیں اور نیک عمل میں کوتاہی نہیں کرتے)۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

حدیث۶۰: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ سَبْعَةٌ یَظِلُّهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّه اِمَام' عَادِل' وَشَابٌّ' نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُل' ذَکَرَ اللّٰهَ فِیْ خَلاءٍ فَفَاضَتْ عَیْنَاه' وَرَجُل' قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ' فِی الْمَسْجِدِ وَرَجُلَان تَحَابَّا فِی اللّٰهِ وَرَجُل' دَعَتْه' امْرأَةٌ' ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ اِلٰی نَفْسِهَا قَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ رَجُل' تَصَدَّقَ فَاَخْفٰی حَتّٰی لَا تَعْلَم شِمَالُه' مَا صَنَعَتْ یَمِنِیْنُه'۔(تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۴۰۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''سات [۷] اشخاص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز اسکے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، [۱] حاکم جو عدل و انصاف کرتا ہے اور [۲] وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت (بچپن سے کرتے ہوئے) جوان ہوا اور [۳] وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور اسکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور [۴] وہ آدمی جسکا دِل مسجد میں لگا رہے اور [۵] وہ دو آدمی جو اللہ تعالیٰ کیلئے ایک دوسرے سے محبت کریں اور [۶] وہ آدمی جسکو خاندانی خوبصورت عورت اپنے نفس کی طرف بلائے تو وہ کہے، 'میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں' اور [۷] وہ شخص جو خفیہ صدقہ کرے حتیٰ کہ اسکا بایاں ہاتھ نہ جانے کہ دائیں ہاتھ نے کیا صدقہ کیا''۔

نوٹ: [۱] عادل حکمران،

عدل کائنات میں ایک ایسی اکائی ہے جس پر ساری کائنات کی بقا کا انحصار ہے۔ چاند، سورج اور ستارے اپنے اپنے مدار میں ایک ضابطہ کے تحت چل رہے ہیں۔ اگر اس ضابطہ میں ذرا سا بھی خلل آ جائے تو ساری کائنات اور تمام اجرامِ فلکی ایک دوسرے سے ٹکرا کر قیامت برپا کر دیں۔ قیامت کے دِن یہی کچھ ہوگا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: ''اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ○ وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ ○ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ○ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ○ ''(الانفطار۸۲،آیات۱-۳)
ترجمہ''جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب تارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے (اپنے کناروں سے باہر نکل جائیں گے) اور جب قبریں کھول دی جائیں گی''۔

زمین پر عدل دُنیا کی مخلوق کے درمیان حیات کیلئے لازم ہے۔حیوانات،نباتات اور بے جان چیزیں مثلاً پہاڑ وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے مقرر کیے ہوئے راستوں پر اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے،انسان کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے عدل کی حدود قائم فرمائی ہیں۔انسان کیلئے یہ حدود ایک طرف تو حقوق اللہ کے متعلق ہیں اور دوسری طرف حقوق العباد کے متعلق۔اسکے علاوہ ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہیے کہ جتنی بھی مخلوق انسان کے علاوہ اس زمین پر بَس رہی ہے، وہ بھی انسان سے بلاواسطہ یا بالواسطہ تعلق رکھتی ہے اور یہ تعلق بھی اگر عدل کے مطابق ہوگا تو مثبت نتائج نکلیں گے اور اگر بغیر عدل کے ہوگا تو زمین پر زندگی کیلئے مضر اَثرات پیدا ہوں گے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عدل قائم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔جو انسان زمین پر عدل قائم کرتا ہے، وہ زمین اور اس پر حیات کی بقا کی ضمانت دیتا ہے۔اسکے اَجر میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن اسکے ساتھ خاص معاملہ فرمائے گا کہ اسکو اپنے عرش کے نیچے سایہ میں جگہ دے گا جبکہ کہیں اَور سایہ نہیں ہوگا اور اسکا یہ بھی مطلب نکلتا ہے کہ وہ حساب کتاب کے موقع پر جنت کا وارث بن جائے گا۔

عدل اتنی بڑی صفت ہے کہ جو انسان خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو، عدل کو قائم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو عدل کی برکت سے اس دُنیا میں ہی نواز دیتا ہے۔نوشیرواں عادل کو توحید پر ایمان نہیں رَکھتا تھا لیکن اس نے اپنی حکومت میں پورا پورا عدل کیا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسکا نام خیر کے ساتھ اس دُنیا میں قیامت تک زندہ کر دیا۔آپ جب بھی نوشیرواں کا نام لیتے ہیں تو اسکے ساتھ ''عادل'' کو اگر نہ لگائیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نام مکمل نہیں ہے۔جب ہم نوشیرواں.....''عادل''.....کہتے ہیں تو ہمارے دِل کو اللہ تعالیٰ تسکین دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے عدل کیلئے دو [۲] صفاتی نام ہیں، ایک ''**العدل**''، دوسرا ''**العادل**''یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہی ''**عدل**''۔(الاسماء الحسنیٰ ازمولانا قاضی سلیمان منصور پوری)

''**یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ'' م بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○**''(المائدۃ۵، آیت ۸) ترجمہ ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی خاطر سچی گواہی پر قائم رہنے والے بنو اور کسی قوم (قبیلہ، برادری، رشتہ داری، والدین اور دوست وغیرہ وغیرہ) کا دباؤ تمہیں اس بات پر مائل نہ کر دے کہ تم عدل کو چھوڑ دو۔ (حقوق اللہ اور حقوق العباد کے اَدا کرنے میں) عدل کیا کرو، یہ بات تقویٰ کے قریب تر ہے (یعنی تم متقی بن جاؤ گے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ کہیں عدل کو چھوڑ نہ بیٹھو)۔ جو کچھ تم کرتے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے''۔

حاکم کیلئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ مؤمن ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں بھی عدل کرے اور بندوں کے حقوق دینے اور دلوانے میں بھی عدل کا نظام قائم کرے اور اسکو پوری طرح باعمل بنائے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محبوب اور اسکے سب سے زیادہ نزدیک بیٹھنے والا شخص **عادل حاکم** ہوگا اور سب سے زیادہ زیرِ عتاب اور سب سے دُور بیٹھنے والا ایسا حاکم ہوگا جو جابر و ظالم تھا''۔(ترمذی، جلد اوّل، حدیث ۱۱۹۳)

اگر ہم اپنے حکمرانوں پر نظر دوڑائیں تو وہ عدل کو ایسے تار تار کرتے ہیں جیسے بھیڑیا بکری کو۔ کیا ہم ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن سکتے ہیں کہ وہ ہمیں اس دُنیا میں بھی معاف فرما کر کے اپنے عذابوں سے بچائے اور آخرت میں ہماری مغفرت فرما کر جنت میں داخل فرمائے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہودی قبیلے کے ایک مرد اور ایک

عورت کی بدکاری کا مقدمہ آیا۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیوں کے کہنے پر مرد کی طرفداری کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سفارش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو سخت ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ ''پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئی ہیں'' (بخاری) (یعنی عدل قائم نہ کرنے کی وجہ سے تباہ ہوئی ہیں)

مذکورہ حدیث شریف کے باقی چھ [٦] نکات بالکل واضح ہیں، ان پر مزید تبصرے کی ضرورت نہیں۔

آپکی اور میری رَبّ العزت سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو عدل کا شعور اور اسکو قائم کرنے کی صلاحیت اور توفیق عطا فرمائے [آمین]

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۶۱ : عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ نِ السَّاعِدِیَّ قَالَ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَکَّلَ لِیْ مَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ وَمَا بَیْنَ لَحْیَیْهِ تَوَکَّلْتُ لَهٗ بِالْجَنَّه‘۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۴۰۶)

ترجمہ : حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ’’جو کوئی میرے لئے اس شئے کا ضامن ہو جو اسکے دونوں پاؤں کے درمیان (یعنی شرمگاہ) ہے اور اسکا جو اسکے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان)، میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں گا‘‘۔

نوٹ: زبان ایک ایسا آلہ ہے کہ اگر اسکو حق پر استعمال کیا جائے تو یہ جنت کا راستہ کھول دیتا ہے اور اگر اسکو باطل پر استعمال کیا جائے تو یہ انسان کو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔

بعینہٖ یہی معاملہ شرمگاہ کا ہے کہ اگر اسکو حق کے ساتھ استعمال کریں تو جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اگر اسکو باطل پر استعمال کریں تو جہنم کا راستہ کھل جاتا ہے۔

جسم کے ان دونوں اعضاء میں ایک بنیادی وصف یہ ہے کہ اگر زبان غلط راستے پر استعمال ہوتی ہے تو اس میں ایک خاص لذّت ہے جس میں شیطان مزید لذّت پیدا کر کے انسان کو اسکا عادی بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر شرمگاہ غلط راستے پر استعمال کرنا شروع کر دیں تو شیطان انسان کیلئے ایک محبوب ترین مشغلہ بنا دیتا ہے اور پھر اس سے باز رہنا انسان کے بَس کی بات نہیں رہتی۔ ان دونوں باتوں کی عادت ایسی پڑ جاتی ہے جو کہ آخر دَم تک نہیں چھٹتی اور اسکے سارے نیک اعمال کو ضائع کر دیتی ہے۔ دُنیا میں بھی ان دونوں کو غلط استعمال کرنے پر سخت سزا رَکھی گئی ہے مثلاً جب انسان دوسرے پر جھوٹی تہمت لگاتا ہے تو اسکو اسّی [۸۰] کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے اور شرمگاہ کو بے جا استعمال کرتا ہے تو اسکو سو [۱۰۰] کوڑے یا سنگساری کی سزا دی جاتی ہے۔

زبان اور شرمگاہ بے شمار فتنوں کے اسباب بنتے ہیں جس سے پورے معاشرے میں اَمن کا قیام مشکل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اَمن کو پسند فرماتا ہے، زبان اور شرمگاہ کے غلط استعمال سے وہ بنیادی اَمن جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، بگڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا، ’’**قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ○**‘‘ (الاحزاب ۳۳، آیت ۷۰)

ترجمہ ''جب بھی بات کرو، سچی بات کرو''۔ سچ سے ہی عدل قائم ہوتا ہے اور عدل سے معاشرے میں اَمن آتا ہے اور اَمن سے ہی ملک میں ترقی ہوتی ہے۔ سچ بولنے سے ہی انسان جنت کا وارث بنتا ہے۔

بدکاری کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا: ''وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝'' (بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۳۲) ترجمہ ''اور زِنا کے پاس بھی مت جاؤ، یقیناً وہ بڑی بے حیائی اور بُری راہ ہے''۔ ہر بے حیائی اور بُری راہ جہنم کو لے جانے والی ہے۔

زِنا سے وراثت کی تقسیم میں بھی خلل آتا ہے۔ وہ بچہ جسکا اصلی باپ کوئی اَور ہے اور وہ دوسرے گھر میں پل رہا ہے، وہ وراثت لے کر دوسروں پر ظلم کر رہا ہے جسکا نتیجہ آخرت میں اندھیرا ہے اور ٹھکانہ جہنم ہے۔

ان دو [۲] اعضا کو کنٹرول (Control) میں رَکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ خاموش رہنے کی عادت ڈالی جائے۔ یہاں ضرورت ہے، وہاں سچ کے سوا کوئی بات نہ کی جائے اور دوسری بُرائی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رَکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝'' (النور ۲۴، آیت ۳۰) ترجمہ ''آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رَکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔ یہ انکے حق میں زیادہ اچھی بات ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں''۔

اور اللہ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ .....الآية'' (النور ۲۴، آیت ۳۱) ترجمہ ''اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! فرما دیجئے مؤمن عورتوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رَکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں.....''۔

نگاہوں کو نیچا رَکھنا دونوں کو نصیحت کیا گیا ہے۔ جو مروجہ پردہ عورتیں پہنتی ہیں، ان میں وہ اپنے چہرے کو تو چھپا لیتی ہیں لیکن انکی نگاہیں نیچی نہیں ہوتیں۔

دَراصل نگاہوں کا نیچا رَکھنا بے شمار فتنوں سے حفاظت کرتا ہے۔ اسکا دَراصل

مطلب یہ ہے کہ ہر مرد اور عورت اپنے کام سے غرض رَکھے۔ نہ مرد مرد کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھے، نہ عورت عورت کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھے اور نہ ہی مرد اور عورت ایک دوسرے کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھیں۔ ایک دوسرے کی طرف بلامقصد دیکھنے سے ہزاروں شکوک دونوں دِلوں میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ بے شمار چھوٹے بڑے جھگڑوں کا باعث بنتے ہیں۔ اگر ہر آدمی اور عورت اپنے اپنے کام سے غرض رَکھیں گے تو کسی کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے، اعتراض کرنے اور نکتہ چینی کرنے وغیرہ وغیرہ کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ معمولی جھگڑے جو اس طرح شروع ہو کر بڑے جھگڑوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، وہ بند ہو جائیں گے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۶۲ : عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا رَاٰی اَحَدُکُمُ الرُّؤْیَا یُحِبُّھَا فَاِنَّمَا ھِیَ مِنَ اللّٰہِ فَلْیَحْمَدِ اللّٰہَ عَلَیْھَا وَلْیُحَدِّثْ بِھَا وَاِذَا رَاٰی غَیْرَ ذٰلِکَ مِمَّا یَکْرَہُ فَاِنَّمَا ھِیَ مِنَ الشَّیْطَانِ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّھَا وَلَا یَذْکُرْھَا لِاَحَدٍ فَاِنَّھَا لَاتَضُرُّہٗ ۔(تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۵۷۰)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، ''جب تم میں سے کوئی خواب دیکھے جسکو وہ پسند کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا اس وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اور دوسروں سے بیان کرسکتا ہے۔ جب اسکے برعکس دیکھے جسکو ناپسند کرتا ہے تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ اسکے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور کسی سے اس خواب کا ذکر نہ کرے۔ وہ اسکو کچھ ضرر نہیں دے گا''۔

نوٹ: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تم میں سے جب کوئی ناگوار خواب دیکھے تو وہ بائیں جانب تین [۳] بار تھوک دے اور تین [۳] مرتبہ کہے ''**اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم**'' اور جس پہلو پر پہلے لیٹا ہو، اسے بدل دے۔

ان دونوں احادیث شریف سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر اچھا خواب دیکھیں تو

[۱] اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں مثلاً کہیں ''**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ**'' (اذکارِ مسنون، صفحہ ۵۳)

[۲] اور اگر بُرا خواب دیکھیں تو اپنا پہلو بدل لیں اور بائیں طرف تین [۳] بار تھوک دیں اور تین [۳] مرتبہ تعوّذ پڑھیں۔ ''**اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم**'' تو انشاءاللہ آپکو اس خواب سے کوئی نقصان نہیں ہوگا اور اس خواب کا اُٹھ کر کسی سے ذِکر نہ کریں۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

حدیث ۶۳: عَنْ عَبْدَاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَۃً وَاُمُوْرًا تُنْکِرُوْنَھَا قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ؟ قَالَ اَدُّوْا اِلَیْھِمْ حَقَّھُمْ وَسَلُوْا اللّٰہَ حَقَّکُمْ۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۶۳۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا، ''تم عنقریب میرے بعد ترجیحات اور ایسے امور دیکھو گے جنہیں تم اچھا نہ سمجھو گے''۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اسکے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حکم ہے؟'' فرمایا، ''تم انکے حق ادا کرتے رہو (جو تمہارے حقوق مارتے ہیں) اور اپنے حقوق کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرو''۔ (یعنی اپنے حقوق کیلئے لڑائی جھگڑے سے پرہیز کریں، صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے رہیں)

نوٹ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا یہ ہے کہ اگر کوئی تمہارا حق لیتا ہے تو تم صبر کرو لیکن تم دوسرے کے حق کا خیال رکھو اور اس کو اَدا کرو۔ اپنے حق کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہو۔

اگر تم اپنا حق لینا ہی چاہتے ہو تو قانونی طریقہ کے علاوہ کوئی اَور طریقہ استعمال مت کرو کیونکہ اس سے ایک خطرہ یہ ہے کہ فساد برپا ہوگا جو کہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، دوسرا خطرہ یہ ہے کہ تم اپنا حق لیتے لیتے دوسرے فریق پر زیادتی کر سکتے ہو پھر تم اس وقت مظلوم سے ظالم بن جاؤ گے اور دوسرا فریق ظالم سے مظلوم بن جائے گا۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی مدد چاہتے ہیں تو آپ صبر کریں اور مظلوم ہی رہیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے رہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''مظلوم کی دُعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں''۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب کتاب الزکوٰۃ) اپنے فریق کے متعلق آپکی دُعا یہ ہونی چاہیے کہ ''یا اللہ تعالیٰ! اسکو ہدایت عطا فرما تاکہ وہ لوگوں کے حقوق مارنے سے باز رہے''۔ بُری دُعا کرنا اچھا نہیں ہے۔

قرآن کریم میں صبر کی بہت ترغیب دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○'' (النحل ۱۶، آیت ۱۲۶) ترجمہ ''اور اگر تم لوگ بدلہ لینا چاہو تو انہیں اتنا ہی دُکھ پہنچاؤ جتنا دُکھ انہوں نے تمہیں پہنچایا ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھا ہے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے کہ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○'' (البقرۃ ۲، آیت ۱۵۳) ترجمہ ''یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے''۔

کسی انسان کو جسمانی، ذہنی اور اخلاقی اذیت دینا اسکے بنیادی حقوق کو مارنا ہے۔ اسکے علاوہ اَور بے شمار حقوق ہیں جنکا تذکرہ کرنا اس کتاب میں ممکن نہیں ہے۔ یہاں ہم تین [۳] حقوق کا ذِکر کرتے ہیں جو کہ باقی تمام انسانی حقوق کی بنیاد بنتے ہیں، (۱) ہر انسان کی جان محترم ہے، (۲) ہر انسان کا مال دوسرے کیلئے محترم ہے اور (۳) ہر انسان کی آبرو محترم ہے۔ پورا انسانی معاشرہ ان تین [۳] بنیادی حقوق پر ترقی کرتا ہے۔

آپ ذرا گردن جھکائیں اور چند منٹ کیلئے غور کریں کہ ہمارے معاشرے میں ان تینوں چیزوں کی کون قدر کرتا ہے **اور کونسی حکومت انکو قائم کرنے کیلئے کوشش کرتی ہے؟** بلکہ کئی عشروں سے یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے حکمران ان تینوں چیزوں کو خود ہی پامال نہیں کرتے جا رہے بلکہ لاکھوں انسانوں کو ساتھ لے کر انکی گندی تربیت کرتے جا رہے ہیں۔

اس صورتحال کا سدّباب کیا ہے؟ اسکا ایک [۱] ہی حل ہے کہ ملک میں تعلیم کی شرح سو [۱۰۰] فیصد تک کر دی جائے جس میں امورِ دُنیا کی مروجہ تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ

○.....○.....○

حدیث ۶۴: عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُبَیْدَ اللّٰہِ بْنَ زِیَادٍ عَادَ مَعْقَلَ بْنَ یَسَارٍ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ فَقَالَ لَہٗ مَعْقِلٌ '' اِنِّیْ مُحَدِّثُکَ حَدِیْثًا سَمِعْتُہٗ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْہِ اللّٰہُ رَعِیَّۃً فَلَمْ یَحُطْھَا بِنَصِیْحَۃٍ لَمْ یَجِدْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ ۔(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۶۷۲۰)

ترجمہ : حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبید اللہ بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیماری میں جس میں وہ فوت ہو گئے تھے، انکی عیادت فرمائی تو حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا، ''میں تجھے ایک حدیث مبارکہ بتاتا ہوں جو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ 'جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے رعیّت دی اور اس نے رعیّت کی بھلائی کے ساتھ حفاظت نہ کی، وہ جنت کی ہوا بھی نہ پائے گا''۔

نوٹ: یہ حدیث مبارکہ حکمران (بادشاہ یا صدر وغیرہ) اور اسکی رعایا کے مابین تعلقات کے متعلق ہے۔ حکمران کے تین [۳] بنیادی فرائض ہیں: رعایا کی جان کی حفاظت کرنا، اسکے مال کی حفاظت کرنا اور اسکی آبرو کی حفاظت کرنا۔ ان تین [۳] بنیادی فرائض پر عمل کرنے سے رعایا کے سارے حقوق حکمران کے دائرہ اختیار میں آجاتے ہیں۔

حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰- ذی الحجہ کو خطبہ دیتے ہوئے حاضرین سے پوچھا، ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' تو حاضرین نے عرض کی کہ ''اللہ تعالیٰ اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں''۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کہتے ہیں کہ ہم نے یہ خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکے مشہور نام کے علاوہ کوئی اَور نام لیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کیا یہ ذی الحجہ نہیں

ہے؟'' ہم نے جواب دیا، ''بے شک'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا، ''یہ کون سا شہر ہے؟'' تو ہم نے عرض کیا کہ ''اللہ تعالیٰ اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ جانتے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے تو ہم نے خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکا کوئی اَور نام لیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کیا یہ مکہ نہیں ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا، ''بے شک'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''یہ کون سا دِن ہے؟'' تو ہم نے عرض کیا، ''اللہ تعالیٰ اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ جانتے ہیں''۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت فرمایا تو ہم نے سوچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکے مشہور نام کے علاوہ کوئی اَور نام لیں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''کیا یہ قربانی کا دِن نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کیا، ''بے شک'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''**تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح محترم ہیں جس طرح یہ دِن، یہ شہر اور یہ مہینہ محترم ہے**''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جب تم اپنے رَبّ تعالیٰ سے ملاقات کرو گے تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا''۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم میں ہر ایک چرواہے کی مانند ہے اور ہر شخص سے اسکی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا چنانچہ لوگوں کا اَمیر (**حکمران**) اپنی رعایا کا چرواہا ہے۔ اس سے اسکی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر کا چرواہا ہے، اس سے اسکے گھر کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان ہے، اس سے بھی سوال کیا جائے گا اور غلام (ملازم) اپنے آقا کے مال کا چرواہا ہے، اس سے اس مال کے بارے میں سوال ہوگا۔ بے شک تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور ہر ایک سے اسکی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا'' (ترمذی، حدیث ۱۵۵۴)

رعایا کی جان کی حفاظت:

حکمران کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ ہر شہری کو اس بات کی ضمانت دے کہ اس پر نہ تو

کوئی باہر سے حملہ کرے گا اور نہ ہی اندرونِ ملک سے۔ اسکا انتظام کرنا اس حد تک ضروری ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک فقرہ تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ''اگر نیل کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر جائے تو اسکے متعلق بھی قیامت کے دِن (حضرت) عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے پوچھا جائے گا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت حکمران کے اس درجہ اپنی رعایا کا دَردَ رکھتے تھے کہ انسان تو انسان، انکی حکمرانی میں کسی حیوان کی جان کی حفاظت کو بھی اپنی ذمّہ داری سمجھتے تھے۔

تاریخ میں ایک واقعہ محمود غزنوی کے متعلق ملتا ہے۔ محمود غزنوی کے بارے میں یہ ہے کہ ایک عورت محمود غزنوی کے دربار میں آئی۔ اس نے عرض کی کہ میں بہت دُور سے آئی ہوں یہ فریاد لے کر کہ میرے بچے کو ڈاکوؤں نے قتل کر دیا ہے۔ آپ ان ڈاکوؤں کو پکڑیں اور سزا دیں۔ محمود غزنوی نے جواب دیا کہ وہ تو میری مملکت سے بہت دُور ہے تو اس عورت نے کہا کہ اگر وہ تمہاری مملکت سے اتنا دُور ہے کہ تم اسکا انتظام نہیں کر سکتے تو پھر تم نے اسکو اپنی مملکت میں شامل کیوں کیا ہوا ہے یعنی وہ بتانا چاہتی تھی کہ تمہاری رعایا کا یہ حق ہے کہ تم اسکی جان کی حفاظت کرو خواہ وہ علاقہ کتنا ہی دُور ہو۔

تعزیراتِ پاکستان کے مطابق خودکشی کرنا ایک جرم ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ خودکشی کے اسباب حکومت کا ذمّہ ہے کہ انکو دُور کرے۔ اگر کوئی نفسیاتی بیماری ہے تو حکومت اسکا علاج کروائے۔ اگر پھر بھی وہ اس بات پر تُلا ہوا ہے تو اسکی ذاتی حفاظت کا انتظام کرے۔

تمام رعایا کی مجموعی طور پر حفاظت کیلئے ہر ملک کا حق ہے کہ وہ ایک فوج بیرونی حملہ آوروں سے رعایا کو بچانے کیلئے ہر قسم کے اسلحہ سے لیس رَکھے۔ آج کل یو این او (UNO) کا یہ کہنا کہ ایٹم بم (Atom Bomb) ایک ملک تو بنا سکتا ہے، دوسرا نہیں، قانونِ فطرت اور عدل کے خلاف ہے۔ ہر ملک کو اپنی رعایا کی حفاظت کیلئے ہر قسم کا اسلحہ رَکھنا اسکا بنیادی حق ہے۔

قرآن حکیم میں ہے کہ جس نے ایک انسان کا قتل کیا، اس نے گویا پوری انسانیت کا قتل کیا۔ جس نے کسی ایک کو زندگی بخشی، اس نے گویا پوری انسانیت کو زندگی بخشی۔

''اَنَّہ' مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ''(المائدہ۵، آیت۳۲) ترجمہ''جوکوئی کسی کو کسی جان کے (عوض کے) یا کہ زمین پر فساد کے (عوض کے) بغیر مار ڈالے تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک کو بچالیا تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو بچالیا''۔

اس آیت مبارکہ سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ بحیثیت حکمران کے ہر شہری کی حفاظت اگر نہیں کی جائے گی تو ایک شہری کا قتل کسی دِن ملک میں روزانہ قتل کے واقعات عام ہوجائیں گے یعنی اگر کسی کو قتل میں انصاف فراہم نہیں کیا جائے گا تو یہ ظالمانہ رویّہ جو حکومتِ وقت اپنائے گی، وہ بالآخر پورے ملک کو خانہ جنگی (Civil War) میں دھکیل دے گی۔

ہر شہری کی صحت کے متعلق انتظام کرنا اور بیماری پر اسکو ہر قسم کی سہولیات فراہم کر کے اسکی جان بچانے کی کوشش کرنا حکمران کا ذمّہ ہے۔

اگر کہیں قحط کا خطرہ ہے تو اسکو وقت سے پہلے بھانپ لینا اور پورے وسائل کے ساتھ خوراک کا انتظام کرنا تاکہ کوئی شہری بھوک سے نہ مرجائے، حکمران کا کام ہے۔ یہی بات تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہِ وقت کو کہی تھی کہ میں تمہارے تمام وزیروں سے زیادہ خوراک کا اچھا انتظام کرسکتا ہوں کہ لوگ بدانتظامی کی وجہ سے جب قحط آئے گا تو بھوک انکی موت کا سبب نہ بنے ورنہ تمہاری اور تمہارے وزیروں کی قیامت کے دِن بازپُرس ہوگی۔

ہم ایک ایسے دَور سے گزر رہے ہیں جس میں حکمران کو اس چیز کا ہرگز شعور نہیں ہے کہ عوام کے جان کی حفاظت اسکا ذمّہ ہے اور ہر وہ موت جو قتل سے ہو، خوراک کی کمی سے ہو یا بیماری سے ہو، ان سے پوچھا جائے گا کہ کس حد تک اپنے عوام کی جان بچانے کیلئے عملی طور پر کوشش کی ہے۔

یہاں میں ایک اَور شعبے کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے ہاں پیدائش کے وقت زچہ بچہ کی اموات دُنیا کے باقی ملکوں سے نسبتاً کافی زیادہ ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ محکمہءِ صحت اور سیاسی یا غیر سیاسی حکومت کی طرف سے خاطر خواہ زچہ بچہ کی صحت کیلئے انتظام کا

فقدان ہے۔

خاندانی، فرقہ پرستی اور جائیداد کے جھگڑے بھی عام قتل و غارت کا سبب بنتے ہیں۔اس میں بھی اسلام حکومت کا بہت اہم کردار تعین کرتا ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،''وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ج''(الحجرات۴۹،آیت۹)ترجمہ''اگر مسلمانوں کے دو[۲] گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو انکے درمیان صلح کرادو''۔

جان کی حفاظت کا مؤثر ترین ذریعہ قرآن حکیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر منحصر ہے، گو قرآن حکیم واحادیث شریف کی تعلیم کا انتظام مدارس میں چل رہا ہے اور برائے نام سکولوں اور کالجوں میں بھی ہے لیکن میں اسکو تعلیم نہیں کہتا۔ ان مدارس، سکولوں اور کالجوں میں قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا معیار یہ ہے جو کہ قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ میں ہمیں بتایا دیا گیا ہے،''مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ط بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○''(الجمعۃ۶۲،آیت۵)ترجمہ''جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا (یعنی یہودی) مگر انہوں نے اس عمل کا بوجھ نہیں اُٹھایا تو انکی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں اس سے بھی زیادہ بُری مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات مبارکہ کو جھٹلا دیا (یعنی ان علماءِ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن حکیم پر ایمان لانے سے انکار کر دیا)۔ایسے ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیا کرتا''۔

ہمارے حکمران اور پوری انتظامی مشینری قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کی مصداق ہیں لہٰذا وہ عوام الناس (اپنی رعایا) کی جان کی حفاظت کرنے کا شعور اور مؤثر انتظام کرنے سے بے بہرہ ہیں۔قیامت کے روز وہ اسکے جواب دہ ہوں گے۔

مال کی حفاظت:

مال کی حفاظت میں بھی انفرادی اور اجتماعی عوام شامل ہیں۔ہر فرد کو چاہیے کہ وہ

دوسرے کا مال ہڑپ کرنے کی کوشش نہ کرے اور حکومت کو چاہیے کہ ظالم کے ہاتھ پکڑے اور مظلوم کی مدد کرے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ ''وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○'' (البقرۃ ۲، آیت ۱۸۸) ترجمہ ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ اسے حکّام تک پہنچاؤ (یعنی رشوت دو) کہ تم اس طرح لوگوں کے مال کا ایک حصہ جان بوجھ کر گناہ سے کھا جاؤ''۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح فرما دیا ہے کہ انفرادی سطح پر اور انتظامی سطح پر مال کو حق پر استعمال نہ کرنے سے نتائج بُرے ہوں گے اور مزید یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر تم حکمران کو کسی قسم کی رشوت یا کوئی اَور دباؤ اور لالچ دے کر حق تلفی کرنا چاہتے ہو تو حکمران کا فرض یہ ہے کہ وہ ایسی حرکت سے خود بھی باز رہے اور اسکے محرکین کو بھی باز رَکھنے کا انتظام کرے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں بھی ایک انسان ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ اور تم میں سے ایک فریق دوسرے کی نسبت زیادہ چرب زبان ہو اور اسکے دلائل سن کر میں اسکے حق میں فیصلہ کر دوں مگر یہ سمجھ لو کہ اگر اس طرح اپنے کسی بھائی کے حق میں سے کوئی چیز (مال) تم نے میرے فیصلے کے ذریعے سے حاصل کی تو دَراصل تم دوزخ کا ایک ٹکڑا حاصل کرو گے''۔ (تفہیم القرآن، سورۃ البقرۃ، نوٹ ۱۹۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''سات [۷] ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو [۱] اللہ کے ساتھ شرک کرنا، [۲] جادو کرنا، [۳] کسی کو ناحق قتل کرنا، [۴] سود کھانا، [۵] یتیم کا مال کھانا، [۶] میدانِ جنگ سے بھاگ جانا، [۷] پاک دامن اور مؤمن عورتوں پر تہمت لگانا''۔ (سنن نسائی، کتاب الوصایا، باب یتیم کا مال کھانے سے پرہیز کرنا)

حضرت قابوس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا، میں نے (حضرت) سفیان ثوری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کو یہ حدیث شریف بیان کرتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض

کیا، ''اگر کوئی شخص میرا مال لوٹنے کیلئے آئے تو میں کیا کروں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اسے اللہ تعالیٰ کا خوف دلاؤ''۔ اس نے عرض کیا، ''اگر وہ باز نہ آئے تو؟'' فرمایا، ''آس پاس کے مسلمانوں سے مدد حاصل کرو''۔ اسی نے عرض کیا، ''اگر وہاں کوئی مسلمان نہ ہو تو؟'' فرمایا، ''حکام سے مدد حاصل کرو''۔ اس نے عرض کیا، ''اگر وہ بھی دُور ہوں تو؟'' فرمایا، ''پھر اپنے مال کی حفاظت کیلئے لڑو۔ اگر مارے گئے تو شہید ہو گے اور اگر نہیں تو اپنا مال بچا لو گے''۔ ایک اور حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر تم مال کے دفاع میں مارے گئے تو جنتی ہو اور اگر وہ مارا گیا تو وہ دوزخی ہے''۔ (سنن نسائی، جلد سوم، کتاب المحاربۃ، باب اگر کوئی کسی کا مال لوٹنے کیلئے آئے تو اسے کیا کرنا چاہیے)

ان احادیث شریف سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ انسان کو اپنے مال کی حفاظت کیلئے اپنی ہمت اور طاقت تک دفاع کرے یعنی بزدلی نہ دکھائے لیکن بہتر بات یہ ہے کہ حکومتِ وقت سے مدد لے۔

حکومتِ وقت کا فرض ہے کہ اپنی رعایا کے مال کی حفاظت کرنے کا انتظام کرے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت کے بڑے بڑے اہلکار وزیر بیوروکریٹس وغیرہ انکے سب کیلئے تو سیکورٹی موجود ہے لیکن عوام الناس کیلئے سیکورٹی نہ ہونے کے برابر ہے اور اگر کہیں ایسا واقعہ ہو جائے تو اس علاقے کی پولیس بجائے مظلوم کو مدد دینے کے اسکے لیے کئی طریقوں سے مصیبت بن جاتی ہے جس میں ایک بہت بڑا کردار بھاری رشوت کا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ جو ادارہ عوام کی حفاظت کیلئے مقرر ہے اور عوام کے خزانوں سے اربوں روپوں کی تنخواہ اور سہولیات لیتا ہے، وہ مظلوم کی مدد کرنے کے بجائے اس پر مزید ظلم ڈھانے کی باعث بنتی ہے، اس وجہ سے سینکڑوں ہزاروں لوگ پولیس کی مدد لینے سے گریز کرتے ہیں۔

یہ ۱۹۹۲ء کی بات ہے کہ میرے ایک رشتہ دار جو ایگریکلچر ڈائریکٹر تھے، ریٹائر ہوئے۔ کچھ مہینوں کے بعد انکے گھر میں چار پانچ ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور زیورات اور تین چار لاکھ کی نقدی لوٹ کر بھاگ گئے۔ ہم نے انکو بہت مجبور کیا کہ آپ پولیس اسٹیشن جا کر رپورٹ لکھوائیں اور ان سے مدد لیں۔ باوجود ہمارے اصرار کے انہوں نے پولیس کو

رپورٹ کرنے سے بالکل گریز کیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جتنا میرا مالی نقصان ہوا ہے، مجھے اس سے زیادہ پولیس کو رشوت کی صورت میں دینا پڑے گا اور ساتھ ہی میرے نوکروں کو بھی ذلیل کرے گی، اس لئے میں پولیس کی مدد نہیں لینا چاہتا اور بالآخر نتیجہ صفر ہوگا بلکہ اس سے بھی بدتر کہ میرا کیس چلتا رہے گا اور ہوسکتا ہے کہ میری زندگی میں اس کا فیصلہ ہی نہ ہو سکے۔

آپ ذرا غور کریں کہ کیا ان حالات میں آپ اپنے حکمرانوں کے رویّے سے مطمئن ہیں۔ اگر مطمئن نہیں ہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہیے کیونکہ میں ساٹھ [۶۰] سالوں سے دیکھ رہا ہوں کہ طرزِ حکمرانی بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ ''**لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر**''۔ (ابوداؤد)

رشوت کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً حکام کی خصوصی دعوتیں اور حکام کو تحفے تحائف بھیجنا وغیرہ وغیرہ۔

ایک تاریخی واقعہ جو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے کہ ایک صاحب نے ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اونٹ کی ایک ران بطورِ ہدیہ بھیجی۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں ایک مقدمہ دائر ہوا جس میں وہ شخص ایک فریق تھا جب مدعی اور مدعا الیہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آمنے سامنے ہوئے تو ہدیہ بھیجنے والے نے کہا کہ یا امیر المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! فیصلہ اس طرح کرنا جیسے اونٹ کے گوشت کے ریشے علیحدہ علیحدہ نظر آتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھ گئے کہ یہ مجھے اس طریقے سے اونٹ کے ہدیہ کو رشوت کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اسکے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تمام گورنروں کو لکھ دیا کہ کوئی سرکاری اہلکار کسی سے کسی وقت بھی ہدیہ قبول نہ کرے۔

ہمارے ہاں یہ بیماری حکومت کے اداروں میں ایسے پھیلی ہوئی ہے کہ اس سے کوئی بھی حکومت کا کارندہ محفوظ نہیں ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ شادی کی دعوتوں میں بلایا جاتا

ہے۔اونچے اونچے سوشل کلبوں کے ممبر بن جاتے ہیں۔ یہ کلب سسٹم رشوت اور سفارش کے بہت بڑے اڈے ہیں۔عید،محرم اور دوسری تقریبات کے موقعوں پر بھی حکومت کے بڑے بڑے اہلکاروں کو دعوت نامے بھیجے جاتے ہیں اور انکو بڑے بڑے ہدیے پیش کیے جاتے ہیں۔

کسی بھائی کے مال کو ظالمانہ طریقے سے کھانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ان ناجائز طریقوں میں سے ایک بہت ہی اہم طریقہ **سود** ہے۔سود ایک بہت بڑا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا،''**اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَایَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○**''(البقرۃ۲،آیت۲۷۵)ترجمہ''جولوگ سود کھاتے ہیں،انکا حال ایسا ہو جاتا ہے جیسے کسی کو **شیطان** نے چھولیا ہو اور وہ **مخبوط الحواس** ہو گیا ہو۔انکی ایسی حالت یعنی مخبوط الحواسی اسلئے ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے(یعنی وہ پیسے کے پیچھے اتنے اندھے ہو چکے ہوتے ہیں کہ وہ تجارت اور سود کے فرق کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے)حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام لہٰذا جسکو بھی یہ نصیحت پہنچے اپنے رَبّ کریم کی طرف سے اور وہ اس سے باز رہے تو جو کچھ پہلے ہو چکا،سو ہو چکا۔اسکا معاملہ(بخشنے یا نہ بخشنے کا)اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے اور جولوگ اس نصیحت کے آ جانے کے بعد پھر بھی سود کھائیں تو(جان رَکھو)وہ اہل نار ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔پھر اللہ تعالیٰ سود اور صدقہ کا موازنہ کرتے ہوئے یوں فرماتا ہے،''**یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ لَایُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ ○**''(البقرہ ۲،آیت۲۷۶)ترجمہ''اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کسی کافر(یعنی مسلمان ہونے کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا عملی طور پر انکار کر رہا ہے)اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا''۔یہاں کافر وہ کافر نہیں ہے جو غیر مسلم ہے بلکہ وہ شخص ہے جو سود

کی اس آیتِ مبارکہ کو پڑھ لینے کے بعد عملی طور پر سود لینا بند نہیں کرتا۔ ''کَفَّارٍ اَثِیْم'' کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے کفر کا مرتکب ہو رہا ہے، دوسرا لوگوں کا مال ظالمانہ طریقے سے کھا کر بہت بڑا ظالم بن رہا ہے۔

اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ج وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ ج لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَاتُظْلَمُوْنَ ○ وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ ط وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ ق قف ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَایُظْلَمُوْنَ ○ ''۔ (البقرۃ ۲، آیات ۲۷۸-۲۸۱) ترجمہ ''اے ایمان لانے والو! خدا تعالیٰ سے ڈرو (اور سود لینا فوری طور پر بند کر دو)۔ جو سود تمہارا باقی رہ گیا ہے، اسکو چھوڑ دو۔ اگر تم واقعی مؤمن کی صفات رکھتے ہو۔ (اچھی طرح جان لو کہ) اگر تم نے ایسا نہ کیا (یعنی سود لینا فوری طور پر نہ چھوڑا اور جو قابل وصول ہے، اسکو معاف نہ کیا) تو پھر اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔

اگر تم توبہ کر لو (اور سود کھانا چھوڑ دو) تو اپنا اصل زر لے سکتے ہو۔ (اس طریقے سے جو ہم نے بتایا ہے) نہ تم کسی پر ظلم کرو گے، نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

اگر تمہارا قرض دار غریب آدمی ہے تو اسکو خوشحال ہونے تک مہلت دے دیا کرو اور اگر صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو تو۔

(اے جماعتِ مؤمنین!) اس دِن سے ڈرو جب تم اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اسکے کیے کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ذرا برابر بھی ظلم نہیں ہوگا''۔

ان آیات مبارکہ پر ہر شخص کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ اگر ہم سودی کاروبار بند نہیں کرتے تو ہمارے معاملات کا انجام اس دُنیا میں بھی ہماری بھلائی میں نہیں ہوگا اور آخرت میں بھی سخت عذاب کا اندیشہ ہے۔ ہمارا تقریباً ہر شخص سود کے لین دین میں چار و ناچار ملوّث ہے۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''ایک زمانہ آئے

گا جب ہر آدمی ہی سودخور بن جائے گا۔ اگر کوئی آدمی ایسا بھی ہو جو سود نہ کھاتا ہو تب بھی اسکے اَثرات سے نہ بچ سکے گا''۔ (ابوداؤد، نسائی)۔

آج کل کا نظامِ اقتصادیات اتنا وسیع اور پیچیدہ ہو چکا ہے کہ کسی ایک شخص کے بَس کی بات نہیں کہ وہ اسکو درست کر سکے۔ اسکا بالآخر ذِمّہ حکومت پر آتا ہے لیکن انفرادی طور پر جو سودی معاملات میں کسی نہ کسی طریقے سے منسلک ہو جاتے ہیں، یہ انکی اپنی ذِمّہ داری ہے اور انکا بوجھ ان ہی کے کندھوں پر ہے۔ سود کے معاملے میں حکومت کا اپنا بوجھ اسکے سر پر ہے اور اسکے متعلق قیامت کے روز پوچھا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''لعنت ہے سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، سودی معاملے کے گواہوں پر اور اس کی تحریر لکھنے والے پر''۔ (ابن ماجہ، جامع ترمذی)

ان آیات مبارکہ سے یہ بالکل واضح ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف مالیاتی جنگ میں مصروف ہیں۔ انسان جنگ ہمیشہ دُشمن سے ہی کرتا ہے یا اگر دوست سے بھی کرتا ہے تو دوست پھر دُشمن بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دُشمن بنا کر ہم اس دُنیا اور آخرت میں سرخرو کیسے ہو سکتے ہیں۔ حالات ہر انسان کے سامنے موجود ہیں۔ ہماری معیشت انتہا درجے کی پستی کو پہنچ چکی ہے۔ میں بحیثیت ایک ڈاکٹر کے وثوق سے کہتا ہوں کہ ہمارا عام مریض علاج معالجہ کرانے کی سکت نہیں رَکھتا۔ ہماری معیشت کی تباہی کے گو کئی محرکات ہیں لیکن سب سے بڑا محرک حکومت کی طرف سے سودی نظام کو پذیرائی دینا اور دیتے جانا ہے۔ اگر حکومت بینکنگ کے نظام کو غیر سودی بنانا چاہے اور اس میں وہ لوگوں کی رضا ڈھونڈھنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے غیر سودی نظام بنائے تو ہماری کوتاہ نظر حکومت کو یاد ہونا چاہیے کہ ''وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر'' ○ ''(آلِ عمران ۳، آیت ۱۸۹) اور ''وَاللّٰہُ وَلِیُّ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○ ''(آلِ عمران ۳، آیت ۶۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رَکھتا ہے'' اور ''اللہ تعالیٰ مؤمنین کا حامی و مددگار ہوں''۔

پھر اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے، ''فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِیۡ ق .....الآیۃ''

(البقرۃ ۲، آیت ۱۵۰) ترجمہ ''سو تم ان لوگوں سے نہ ڈَرو (یعنی دُشمنوں سے خواہ وہ داخلی ہوں یا خارجی بلکہ) مجھ سے ہی ڈَرو'' یعنی میرا ہی خوف رَکھو تا کہ تم میرے احکام کو چھوڑ کر لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے گمراہ نہ ہو جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''میں سویا ہوا تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں''۔ (بخاری شریف، کتاب التعبیر، باب (خواب میں) ''ہاتھ میں کنجیاں دیکھنا'')

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے ہمارے لیے زمین کے خزانوں کا وعدہ فرمایا ہے تو پھر ہمارے ہاتھ خزانے اسی وقت آ سکتے ہیں جب ہم اللہ تعالیٰ کے دوست بنیں گے نہ کہ دُشمن۔

جب ہم مؤمن بننے اور سود کو قانونی طور پر ختم کرنے کی کوشش کریں گے اور سر توڑ کوشش کریں گے تو پھر انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ کی مدد آنے میں دیر نہیں لگے گی۔ پھر جو سود سے پاک نظام کی برکات ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں مالا مال فرما دے گا کیونکہ کائنات کے خزانوں کی کنجیاں نہ تو امریکہ (America) کے ہاتھ میں ہیں، نہ ورلڈ بنک کے ہاتھ میں ہیں، نہ آئی ایم ایف (I.M.F) کے ہاتھ میں ہیں۔ نہ کسی صدر، وزیر، لینڈ لارڈ (Land Lord) یا بڑے بڑے تاجروں اور صنعتکاروں کے ہاتھ میں ہیں۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کے دوست بن جائیں گے تو اللہ تعالیٰ خزانوں کی کنجیاں ہمارے ہاتھ میں دے دے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○'' (الزمر ۳۹، آیت ۶۳)
ترجمہ ''اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں تمام آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی باتوں کا یقین نہیں کرتے، وہی خسارے میں رہنے والے ہیں''۔

یہ آیت مبارکہ واضح طور پر بتا رہی ہے کہ اگر ہم کائنات کے خزانوں پر اللہ تعالیٰ کا اختیار تسلیم نہیں کرتے تو پھر ہم سراسر نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہیں۔

ہمارے حکمرانوں اور پورے معاشرے کی ایمانی حالت اتنی پست ہو چکی ہے کہ ہم اس واضح آیت مبارکہ کو نظر انداز (Ignore) کر کے ہم اپنی دولت اور خزانوں کو سود کے ذریعے بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں جسکا نتیجہ سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ مال کے متعلق ظلم کئی اَور طریقوں سے بھی ہو رہا ہے لیکن حکومت کو اسکی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے۔ ان میں تجارتی اشیاء کی قیمتوں کا بلاوجہ زیادہ کرنا اور مالِ وراثت کی غلط تقسیم زبردست ہاتھ کے ذریعے اور یتیموں کے مال کو ہڑپ کر جانا، قرض کا واپس نہ کرنا، کرائے دار کا مالک مکان یا دکان یا زمین کا ٹھیکہ ادا کرنے میں لیت ولعل سے کام لینا۔ کاروں سکوٹروں وغیرہ کا قسطوں پر دینا یہ سب ظالمانہ مالیاتی کاروبار ہیں۔

رعایا کی آبرو کی حفاظت:

آبرو ایک وسیع اصطلاح ہے۔ ہر معاشرے میں عزت اور احترام کے کچھ رسم و رواج ہوتے ہیں۔ ان رسم ورواج کا احترام ملحوظ رَکھنا چاہیے۔ قرآن حکیم اور احادیث شریف کی رُو سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی موقع پر کسی کا دِل دُکھا دینا آبروریزی میں آتا ہے جبکہ دِل دُکھانے کی وجہ واقعتاً معاشرتی رسم و رواج، قرآن حکیم اور احادیث شریف کی تعلیم کے برعکس ہو۔

دوسرا مطلب آبروریزی کا یہ ہے کہ عصمت پر حملہ کرنا، دوسروں کے حقوق مارنا، کسی کو دل سے ذلیل سمجھنا یا کسی کو عملی طور پر معاشرے میں پست کرنا۔

ہمارے معاشرے میں کچھ پیشے (Profession) گھٹیا سمجھے جاتے ہیں اور ان پیشوں (Professions) سے وابستہ لوگوں کو بھی ذلیل سمجھا جاتا ہے، یہ رویّہ قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل برعکس ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۶۵: عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ یَامَعْشَرَ الْقُرَّآءَ اِسْتَقِیْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِیْدًا وَاَنَّ اَخَذْتُمْ یَمِیْنًا وَّشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِیْدًا ۔(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۶۸۴۰)

ترجمہ : حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''اے قراء کی جماعت! سیدھی راہ پر رہو، تم بہت پیچھے رہ گئے ہو۔ اگر تم نے دائیں بائیں میلان کیا تو بہت گہری گمراہی میں پڑ جاؤ گے''۔

نوٹ: یہ نصیحت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص طور پر علماء کرام کے لیے فرما رہے ہیں (**یَامَعْشَرَ الْقُرَّآء**) کہ قرآن کریم کی تعلیم میں بہت احتیاط سے کام لیں۔ اس کے سمجھنے میں اور دوسروں کو سمجھانے میں صراطِ مستقیم کا خاص خیال رکھیں۔ جو باتیں واضح ہیں، ان کو اُسی طرح بیان کریں۔ جو متشابہات میں سے ہیں، ان کے اپنے مطلب نکالنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ ان کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''**ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ط فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ ج وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ لا کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○**'' (آلِ عمران ۳، آیت ۷) ترجمہ ''یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تم پر اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ کتاب اُتاری ہے۔ اس میں کچھ آیات مبارکہ بھی ہیں اور وہی دَراصل کتاب کا مغز ہیں اور دوسری آیات مبارکہ بھی ہیں جو متشابہ ہیں (جنکے معنی واضح نہیں ہیں)۔ وہ لوگ جنکے دِلوں میں کجی ہوتی ہے، وہ ان متشابہ آیات مبارکہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں فتنہ اندازی کیلئے وہ انکی عجیب عجیب تاویلات ڈھونڈتے ہیں حالانکہ انکا مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم تو ان سب پر ایمان لائے، یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور نصیحت تو عقل

والے ہی قبول کرتے ہیں''۔

یہ یاد رہے کہ کوئی علم بشمولِ علم قرآن حکیم واحادیث شریف اس وقت تک صحیح معنوں میں علم نہیں کہلاتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے۔ جو عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، وہ عالم کہلائے جانے کے لائق ہی نہیں ہے۔

کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ''علم بغیر عمل کے فائدہ نہیں دیتا''۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۶۶: عَنْ حُمَیْد'' قَالَ سَمِعْتُ مُعٰوِیَةَ بْنَ اَبِیْ سُفْیٰنَ یَخْطُبُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ'' وَیُعْطِی اللّٰهُ وَلَنْ یَزَالَ اَمْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مُسْتَقِیْمًا حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ اَوْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ عزَّ وَجَلَّ۔ (تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۶۸۶۹)

ترجمہ: حضرت حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جسکے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسکو دِین کی سمجھ دے دیتا ہے۔ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس اُمّت کا معاملہ ہمیشہ سیدھے راستے پر رہے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے'' یا فرمایا، ''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ دِین کی سمجھ اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہے اور وہ جسکو دینا چاہتا ہے، اسکا سینہ دِین کیلئے کھول دیتا ہے۔ مکہ مکرمہ کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ سب سے پہلے چند ایک لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور یہ سراسر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی تھا ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت مکہ مکرمہ کے ہر شخص کو دے رہے تھے۔ جنکی قسمت میں بھلائی نہیں لکھی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے انکو دِین کی سمجھ بھی عطا نہیں کی۔ اسکی واضح مثال حضرت ابو طالب کی زندگی ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی مدد دی لیکن انکی قسمت میں چونکہ بھلائی نہیں لکھی ہوئی تھی، اسلئے وہی کلمہ جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ الکریم انکے صاحبزادے چند ایک پہلے حضرات صحابہ کرام میں سے تھے جن کو **لا الہ الا اللہ** کی سمجھ عطا فرمائی گئی۔

اسکے بعد مدینہ منورہ کی زندگی پر نظر دوڑائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل اور نصاریٰ کو بھی وہی کلمہ پیش کیا۔ جنکے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا ارادہ فرمایا تھا، انکو تو اس کلمہ کی سمجھ عطا فرمائی اور انہوں نے اسکو قبول کیا۔ جنکی قسمت میں بھلائی نہیں تھی کیونکہ انکا ارادہ اور عمل بھلائی کی نہج پر نہیں تھا، اسلئے وہی کلمہ انکو مسلمان نہ بنا سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ تعالیٰ ہے'' یعنی میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سب پر پیش کرتا ہوں۔ تزکیہ نفس بلا امتیاز سب کا کرتا ہوں، حکمت سب کو دیتا ہوں لیکن میرے یہ تمام فعل صرف ایک وسیلہ ہیں۔ حقیقتاً کتاب، تزکیہ اور حکمت وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہیں۔

بات بالکل واضح ہے۔ اگر دِین کی سمجھ کو تقسیم کرنے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوتے تو سب سے پہلے ابو طالب ایمان لاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ○'' (القصص ۲۸، آیت ۵۶) ترجمہ ''ہدایت یعنی دِین کی سمجھ تم نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے جسکو چاہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس قابل ہے کہ اسکو ہدایت دی جائے''۔ بقول علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں ..... راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے، جوہر قابل ہی نہیں ..... جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن

○.....○.....○

حدیث ۶۷: عَنْ اَبِیْ الْخَیْرِ سَمِعَ عَبْدَاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ اَبَا بَکْرِ الصِّدِّیْقَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ! عَلِّمْنِیْ دُعَآءً اَدْعُوْ بِہٖ فِیْ صَلَاتِیْ قَالَ قُلِ اللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مِنْ عِنْدِکَ مَغْفِرَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ (تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۶۹۳۸)

ترجمہ : حضرت ابوالخیر نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے دُعا سکھائیں جو میں نماز میں پڑھا کروں''۔ فرمایا، ''کہو! اے اللہ جل جلالہٗ! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے۔ گناہوں کو تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں ہے۔ مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا فرما، بے شک تو بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے''۔

نوٹ: حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہا السلام نے جب غلطی سے شجرۂ ممنوعہ کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''وَاَقُلْ لَّکُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمَا عُدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○'' (الاعراف ۷، آیت ۲۲) ترجمہ ''کیا میں نے تم دونوں کو خبردار نہیں کیا تھا کہ شیطان تمہارا واضح دُشمن ہے؟''

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت امّاں حوّا علیہا السلام کو پیدا فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انکو جنت میں رکھا اور فرمایا کہ ''وَیٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ فَکُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○'' (الاعراف ۷، آیت ۱۹) ترجمہ ''(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے (حضرت) آدم (علیہ السلام)! اور تمہاری بیوی (حضرت حوّا علیہا السلام) جنت میں رہو اور جہاں مرضی چاہو، کھاؤ پیو لیکن اس درخت کے پاس مت جانا ورنہ تم ظالموں میں شمار

ہو گئے'' لیکن شیطان نے ان دونوں کو ورغلایا اور ان سے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کروائی تو انہوں نے اس درخت سے کھالیا۔ اس غلطی کی معافی مانگنے کیلئے وہ یہ دُعا فرماتے رہے ''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○'' (الاعراف ۷، آیت ۲۳) ترجمہ'' کہو! اے اللہ جل جلالہٗ! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے۔ گناہوں کو تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں ہے۔ مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا فرما، بے شک تو بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے''۔

اس دُعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○'' (البقرۃ ۲، آیت ۳۷) ترجمہ'' پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کچھ الفاظ سیکھ لئے پھر اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمالی۔ وہ تو ہے ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا''۔

ہماری روزمرہ کی زندگی میں شیطان ہم سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کروانے کیلئے کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اگر ہم دانستہ طور پر غلط کام سے باز رہیں اور جب غلط کام کا دِل میں ارادہ آئے تو یہ دُعا پڑھ لیں، ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم، اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم'' تو وہ غلط خیال انشاءاللہ آپکے دِل سے نکل جائے گا، اللہ تعالیٰ آپکی مدد فرمائے گا اور آپ غلط کام کرنے سے بچ جائیں گے۔ اسکے بعد آپ یہ دُعا مانگیں جو اوپر بیان کی گئی ہے یا وہ مانگیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس حدیث شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سکھائی ہے تو انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ آپکی خطا کو بھی معاف فرما دے گا اور آئندہ کیلئے آپکی حفاظت بھی فرمائے گا اور آپکو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

قرآن کریم میں ہے کہ شیطان تمہارا واضح دُشمن ہے، ''اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○'' (یوسف ۱۲، آیت ۵) ترجمہ ''یقیناً شیطان انسان کا کھلا دُشمن ہے''۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ''بچہ پیدا ہوتے ہی ابلیس ایک شیطان اسکے ساتھ لگا دیتا ہے''۔ یہ شیطان انسان کے آخری دَم تک اسکو غلط راستے کی طرف لے

جانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ وہ حملہ کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتا ہے کیونکہ اسکی ڈیوٹی ہی یہ ہے کہ انسان کو امورِ دُنیا اور امورِ آخرت میں غلط طرف راغب کرے اور وہ یعنی شیطان رغبت میں لذت اور خوش نمائی پیدا کر دیتا ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ صرف ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذِکر سے جسکی کئی صورتیں ہیں، انسان اپنے آپکو غافل نہ کرے کیونکہ شیطان اللہ تعالیٰ کے نام سے بھاگتا ہے جیسے ہی آپ اللہ تعالیٰ کا ذِکر بند کرتے ہیں، وہ پھر آکر آپکو وسوسوں میں ڈالتا ہے اور غلط کاموں کی طرف آپکی سوچ کا رُخ موڑ دیتا ہے، ''وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَه' شَيْطٰنًا فَهُوَ لَه' قَرِيْنٌ'' ○ ''(الزخرف ۴۳، آیت ۳۶) ترجمہ ''جو اللہ تعالیٰ کا ذِکر نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر شیطان مسلط فرما دیتا ہے پھر وہ اسکا دوست بن جاتا ہے''۔

ذِکر کی چند ایک عام صورتیں یہ ہیں، زبان سے ذِکر کرنا، نماز کا پابندی سے اَدا کرنا، نفل نمازیں پڑھنا، زکوٰۃ کا خوش دِلی سے اَدا کرنا، روزے رَکھنا، حج کا اَدا کرنا، حقوق العباد کا اَدا کرتے رہنا، لوگوں کو انکی غلطیوں پر معاف کر دینا، ہر ایک کو سلام کرنا، ہر ایک مصیبت زدہ کی مدد کرنا اور قرض واپس لینے میں سہولت دینا وغیرہ وغیرہ۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کا ذِکر دِل و جان سے کریں گے تو آپ بہت جلد محسوس کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اپنے قریب پائیں گے اور شیطان سے آپکی حفاظت ہوتی رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذِکر کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی آپکے معاون بن جاتے ہیں جو آپکو کئی طریقوں سے سیدھا راستہ دکھاتے رہتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مِنْ عِنْدِكَ مَغْفِرَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

اس دُعا کو زبانی یاد کر لیں اور ہمیشہ کیلئے اپنا معمول بنا لیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۶۸ : عَنْ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْیَرَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ وَمَا اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیْہِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰہِ ۔
(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۶۹۵۳)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیور کوئی نہیں، اسی لئے اس نے فواحش حرام فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو مدح پسند نہیں''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی دو [۲] صفات بیان فرمائی ہیں:

[۱] ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی غیرت مند ہے، وہ ہر بُرائی کو ناپسند فرماتا ہے اور کرنے والے کو بھی۔

[۲] دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی حمد کے ساتھ تسبیح بہت پسند ہے، ''**یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ○**'' (الجمعہ ۶۲، آیت ۱) ترجمہ ''اُسی کی ہی پاکی (یعنی ہر کمزوری سے وہ پاک ہے) بیان کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں ہیں اور جو بھی زمین میں۔ وہی بادشاہِ حقیقی ہے۔ اس کی ذات مقدس (یعنی ہر عیب سے وہ برتر ہے)، زبردست اور حکیم ہے'' (یعنی ہر کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور ہر کام حکمت سے کرتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا، ''**قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَالَاتَعْلَمُوْنَ ○**'' (الاعراف ۷، آیت ۳۳) ترجمہ ''اے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)! ان سے کہو کہ میرے رَبّ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام فرمائی ہیں، وہ تو یہ ہیں: بے شرمی کے کام .....خواہ کھلے ہوں یا چھپے (اللہ تعالیٰ کھلے اور چھپے دونوں کو دیکھنے والا ہے) اور (تمام)

گناہ اور حق کے خلاف زیادتی کے کام اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تم کسی کو شریک بناؤ جس کیلئے اس نے کوئی سند (ثبوت) نازل نہیں فرمائی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی ایسی بات کہو جسکے متعلق تمہیں علم نہ ہو کہ وہ حقیقت میں اسی نے فرمائی ہے''۔

بے حیائی اور ناپسندیدہ (گناہ، زیادتی اور ظلم وغیرہ) چیزوں سے بچنے کا نسخہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں بتادیا، ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط'' (العنکبوت ۲۹، آیت ۴۵) ترجمہ ''یقیناً نماز بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا، ''وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ○'' (البقرۃ ۲، آیت ۴۵) ترجمہ ''(ہر مصیبت میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو اور وہ (یعنی نماز) یقیناً لوگوں پر بھاری ہے لیکن ان پر نہیں جو اللہ رَبّ العزت کا خوف رَکھتے ہیں''۔

اگر آپ **پورے خلوص** کے ساتھ نماز اَدا کریں اور کوشش کریں کہ توجہ ادھر ادھر نہ بھٹکے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کا محبوب ترین عمل فرض نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا ہے (تفہیم البخاری، جلد اوّل، حدیث ۵۰۶) تو اسی سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ نماز کو دیر سے پڑھنا کتنا ناپسندیدہ ہوگا اور بالکل نہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کے غصّے کو کتنا بھڑکانے والا فعل ہو گا۔ ہمارے معاشرے میں چند فیصد کے علاوہ باقی سب بے نمازی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا غصّہ ساری قوم پر واضح طور پر نظر آ رہا ہے۔ ایک وقت (حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا) تھا کہ علاقے کا امیر اور اپنے محکمے کا انچارج امامت کروایا کرتے تھے اور یہ انکے لیے لازم ہوتا تھا اور امیر المؤمنین (خلیفہ) یا تو حافظ قرآن ہوتا تھا۔ اور اگر نہیں تو قرآن حکیم پر پورا عبور رَکھتا تھا۔

آج کیا ہے.....؟

.....افسوس صد افسوس.....!

اک سجدہ کہ تو جسکو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

○.....○.....○

؎ مرا رونا نہیں رونا ہے یہ سارے گلستاں کا
وہ گل ہوں میں خزاں کی ہر گل کی گویا خزاں میری

o.....o.....o

؎ سن اے غافل صدا میری، یہ ایسی چیز ہے جسکو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں

؎ ذرا دیکھ اسکو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں

o.....o.....o

؎ یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت
جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوبِ فطرت ہے

حالات آپکے سامنے ہیں۔حکومت کے اعلیٰ ترین عہدے سے لے کر تحصیل اور ٹاؤن کونسل تک جو بھی اَمارت کے منصب پر بیٹھے ہیں، ان میں بہت بڑی اکثریت ایسی ہے جو کلمہ بھی نہیں پڑھ سکتی، سورۂ فاتحہ بھی نہیں آتی، نماز کیلئے بھی کبھی نہیں جاتے۔تو کیا ان حالات میں اللہ تعالیٰ ہمیں سدھرنے کی توفیق دے گا؟ کیا اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت کرے گی کہ ان حالات میں وہ ہماری مدد فرمائے؟

اللہ تعالیٰ تو قرآن حکیم میں واضح طور پر فرماتا ہے، ''**لَـهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝**'' (الرعد۱۳، آیت۱۱) ترجمہ ''ہر ایک کیلئے فرشتے ہیں، آگے اور پیچھے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسکی حفاظت کرتے ہیں (شیطان سے خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے)۔حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم جب تک خود اپنی حالت نہ بدلے، اللہ تعالیٰ اسکی حالت نہیں بدلتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت کا ارادہ کرلے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کا مددگار نہیں ہوتا''۔(یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس وقت مدد کرتے ہیں جب انسان اللہ تعالیٰ کے بیان کیے ہوئے ٹھیک راستے پر عمل پیرا ہوتا ہے)

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکت اتنی عظیم ہے کہ اسکی کوئی مخلوق بھی اسکے شایانِ شان

تعریف نہیں کرسکتی۔ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ایک شخص نے ایک مرتبہ کہا، ''یَـــارَبِّ لَکَ الْـحَـمْـدُ کَـمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ'' ترجمہ ''اے اللہ تعالیٰ! تیرے لیے ایسی ہی حمد ہے جو تیرے چہرے کی بزرگی کے لائق اور تیری سلطنت کی عظمت کے لائق ہے''۔فرشتے فیصلہ نہ کر سکے کہ اسکے لیے کتنا ثواب لکھیں تو اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور عرض کی کہ ''یا باری تعالیٰ! تیرے بندے نے ان الفاظ میں تیری تعریف کی ہے، ہمیں علم نہیں کہ اسکا ثواب کتنا لکھا جائے؟'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''تم اسکے نامہءِ اعمال میں ایسے ہی لکھ لو جیسے اس نے کہا تھا۔اسکا اَجر مَیں خود اسکو قیامت کے روز دوں گا یعنی اتنا اَجر دوں گا کہ تمہاری تحریر میں قلمبند نہیں ہوسکتا''۔

مشورہ:

آپ اگر ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی تعریف ان کلمات سے کیا کریں تو اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ آپ بھی بے پناہ اَجر کے اُمیدوار بن جائیں گے۔

تعریف کے کلمات اَور بھی بہت ہیں جو کہ ذِکر واذکار کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔جس کلمہ سے مَیں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں، وہ یہ ہے، ''سُبْـحَـانَ اللّٰـهِ وَبِـحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْم'' کیونکہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی خانہ کعبہ کے غلاف پر لکھا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جس کلمے کو اپنے گھر کی زینت کے لیے پسند فرمایا، وہ کلمہ اگر کسی انسان کی زبان اور دِل سے بیان ہو تو کیا اللہ تعالیٰ اس انسان کی زبان اور دِل کو زینت نہیں بخشے گا؟ یعنی معرفت الٰہی کی توفیق دے گا۔

وَمَا عَلَیْنَـآ اِلَّا الْبَـلَاغُ الْمُبِیْن

○.....○.....○

حدیث۶۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَةٌ" فَاُرِیْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَنْ اَخْتَبِئَ دَعْوَتِیْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۔(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث۷۰۲۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''ہر نبی کو ایک خاص دُعا مانگنے کی اجازت ہوتی ہے جو قبول فرمائی جاتی ہے۔ پس میں نے اپنی اس خاص دُعا کو قیامت کے روز اپنی اُمّت کی شفاعت کیلئے محفوظ کر رکھا ہے''۔

نوٹ: ذرا غور کریں کہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اُمّت کی کتنی فکر ہے لیکن ہم اس زمانہ میں ایسے ہو گئے ہیں کہ ہمیں خود اپنی فکر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ" مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ" عَلَیْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِیْصٌ" عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ" رَّحِیْمٌ" ○'' (التوبۃ ۹، آیت ۱۲۸) ترجمہ ''یقیناً تمہارے پاس ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے ہیں تم ہی میں سے۔ جو چیز تمہیں مضرت پہنچاتی ہے، انہیں بہت گراں گزرتی ہے۔ تمہاری بھلائی کے حریص ہیں۔ ایمان والوں کے حق میں تو بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں''۔

قیامت کے روز وہ خاص دُعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمّت کی شفاعت کیلئے محفوظ رکھی ہے لیکن شفاعت بھی کسی اصول کے تحت ہوگی۔ قرآن کریم میں ہے کہ شفاعت وہی کر سکیں گے اور ان کے ہی حق میں کر سکیں گے، جن کو اور جن کے متعلق ہم اجازت دیں گے، ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ''(البقرۃ ۲، آیت ۲۵۵) ترجمہ ''کون ہے جو اسکی جناب میں اسکی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے''۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شفاعت کی ان لوگوں کے حق میں اجازت دی جائے گی جنکے اعمال ناموں میں کچھ وزن ہوگا اور دوسروں کو بھی شفاعت کی اجازت دی جائے گی جنکا آپس میں دِینی تعلق ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق پیدا کرنے کیلئے ہمیں انکے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے ورنہ بہت ممکن ہے کہ ہم شفاعت سے محروم رہ

جائیں۔تعلق اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں طرف سے مناسبت ہو۔ ہماری مناسبت تو آج کل واضح طور پر شیطان سے ہے۔ہمیں شیطان کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مناسبت پیدا کرنی چاہیے تاکہ ہمیں آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُمّتی ہونے پر ندامت نہ ہو اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت کے مستحق بن جائیں۔

مشورہ:

[۱] سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگیوں پر لکھی ہوئی اعلیٰ معیار کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

[۲] قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھیں اور اس میں غور وفکر کریں کہ زمانے کے حالات کے مطابق ہمارا سیدھا راستہ کون سا ہے؟ اور پھر اس راستے پر عمل کریں خواہ کوئی انسان آپکو احمق کہے۔

[۳] صحاحِ ستہ کا مطالعہ کریں اور ان احادیث شریف پر غور کریں جو ہمارے موجودہ حالات میں رہنمائی کرتی ہیں اور ان پر پورے جذبے کے ساتھ عمل کریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''میری سنت کو فسادِ اُمّت کے زمانہ میں زندہ کرنا یعنی اس پر مضبوطی سے عمل کرتے رہنے سے سو[۱۰۰] شہیدوں کا ثواب ملتا ہے''۔(بیہقی)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۷۰: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِیْ اِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِیْ اِنْ شِئْتَ وَالْیَعْزِمْ مَسْأَلَتَه' اِنَّه' یَفْعَلُ مَایَشَاءُ لَامُکْرِهَ لَه'۔ (تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۷۰۲۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم میں سے کوئی بھی یہ نہ کہے کہ اللہ رَبّ العزت اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے، اگر چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما اور اگر چاہتا ہے تو مجھے رزق دے۔ تم کو چاہیے کہ اپنے سوال میں عزم کرو۔ اللہ جل جلالہٗ تو وہی کرے گا جو وہ چاہے گا، اسکو کوئی مجبور نہیں کرسکتا''۔

نوٹ: یہاں دُعا کرنے کے صحیح طریقے کی تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو خیر آپ نے مانگنی ہے، وہ جرأت اور اُمید سے مانگنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ دے گا اپنی حکمت سے لیکن جرأت مندانہ طریقے سے دُعا کرنے سے آپکا حوصلہ بلند ہوگا۔ آپ پُر اُمید ہوں گے اور اس رویّے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے آپکو یا تو وہی چیز عطا فرمادے گا یا اسکا نعم البدل یا آپکی دُعا ثواب کیلئے آخرت میں ذخیرہ کررَکھے گا۔ جرات مندانہ رویّے سے آپ میں مایوسی نہیں آئے گی بلکہ آپ اپنی دُعا سے مثبت رویہّ رَکھتے ہوئے ہمت سے کام کرتے جائیں گے جس میں آپ کا فائدہ ہی فائدہ ہوگا۔

ہر دُعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی دُعا ضرور مانگیں۔

تمام علماء کرام متفق ہیں کہ دُعا مانگنے کے کچھ آداب ہیں لیکن سادہ ترین بات یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کریں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دُرود شریف بھیجیں، اسکے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑی عاجزی، انکساری اور فقیرانہ انداز میں دِل کے یقین یعنی جرأت کے ساتھ اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے رَکھیں اور آخر میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دُرود شریف بھیجیں تو انشاءاللہ العزیز اللہ تعالیٰ آپ کیلئے خیر کا راستہ کھول دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''دُعا عبادت ہے'' اور اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی، ''**وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○**'' (المؤمن ۴۰، آیت ۶۰) ترجمہ ''اور تمہارے رَبّ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارا کرو! میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ جو لوگ میری بندگی سے سرتابی کرتے ہیں، وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے'' یعنی **دُعا کا نہ مانگنا بندگی سے سرتابی ہے**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے''۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایک اَور جگہ دُعا کے متعلق یوں فرمایا، ''**اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ط ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○**'' (النمل ۲۷، آیت ۶۲) ترجمہ ''کون ہے جو (اللہ واحد کے سوا) بے قرار کی دُعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارتا ہے اور کون (رَبِّ یکتا کے سوا) اسکی مصیبت رفع کرتا ہے؟ اور (کون ہے جو اسکے سوا) تمہیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ (وحدہٗ لاشریک لہٗ) کے ساتھ کوئی اَور خدا بھی ہوسکتا ہے؟ تم کم ہی غور کرتے ہو''۔

مشورہ:

اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود ہے۔ ہاں! ہاں! یہ بالکل ٹھیک ہے اور یہ ایک آفاقی سچائی (Universal Truth) ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ لگانا ہمارے بَس کی بات نہیں ہے تو آپ جب بھی دُعا مانگیں پہلے اپنی حاجت کا ذِکر کریں پھر والدین کیلئے دُعا مانگیں پھر عزیز و اقارب کیلئے پھر ہمسایوں کیلئے اور پھر تمام انسانیت کیلئے کیونکہ اس زمین پر مسلم اور غیر مسلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب اسکے بندے ہیں اور وہ ان سب کا رَبّ تعالیٰ ہے۔ ہوسکتا ہے آپکی دُعا سے کوئی غیر مسلم ایمان قبول کرلے جسکا آپکو علم بھی نہ ہو اور پھر وہ آپکے لیے جنت میں جانے کا وسیلہ بن جائے۔

نیکی کی ابتداء کرنے اور ترغیب دینے سے جتنے لوگ بھی اس ترغیب سے نیکی کرتے جائیں گے، قیامت تک انکا اَجر ابتداء کرنے اور ترغیب دینے والے کے نامہءِ

اعمال میں بھی لکھا جاتا رہے گا جس نے نیکی کی ابتدا کی تھی۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اور اس میں اس کی اتباع کی گئی تو اس کے لیے بھی اس کے اتباع کرنے والوں کے برابر ثواب ہوگا اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور اگر کسی نے بُرائی کے کسی طریقے کو رواج دیا اور لوگوں نے اس کی اتباع کی تو اس کے لیے بھی اتنا ہی گناہ ہو گا جتنا اسکی اتباع کرنے والوں کو اور انکے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی'' (ترمذی، جلد دوم، حدیث ۲۴۸۱)۔

دُعا مانگنے میں اس بات کا خاص دھیان رَکھیں کہ کوئی انسان مسلم یا غیر مسلم خواہ وہ آپکے سامنے کتنا ہی بُرا ہو، کبھی کسی کو بددُعا نہ دیں کیونکہ یہ عام فہم بات ہے کہ اچھائی بُرائی سے بہتر ہے۔ بددُعا تو ایک بُری چیز ہے جبکہ ہدایت کی دُعا ایک بہترین آخرت کا ذخیرہ ہے تو آپکا غصّہ اور دُشمنی بھی چلی جائے گی اور اللہ تعالیٰ یہاں اور آخرت میں آپکے درجات بھی بلند فرمائے گا [آمین]

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۱۷ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ اِذَا اَحَبَّ عَبْدِیْ لِقَائِیْ اَحْبَبْتُ لِقَاءَهٗ وَاِذَا کَرِهَ لِقَائِیْ کَرِهْتُ لِقَاءَهٗ ۔(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۷۰۴۹)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''اگر میرا بندہ میری ملاقات کو پسند کرے تو میں اسکی ملاقات کو پسند کرتا ہوں اور اگر میری ملاقات کو ناپسند جانے تو میں بھی اسکی ملاقات کو ناپسند جانتا ہوں''۔

نوٹ : اللہ تعالیٰ اور بندے کی ملاقات کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں پہلی ملاقات حساب کتاب کے وقت ہوگی اور اس کے بعد جنت میں اللہ تعالیٰ کا باقاعدہ دیدار نصیب ہوگا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کا شوق رکھتا ہے تو وہ ملاقات کے قواعد وضوابط بھی پورے کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرے گا۔ جن کاموں کو کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، ان کو وہ شوق سے کرے گا اور جن کاموں سے باز رہنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، ان سے وہ باز رہنے کی کوشش کرے گا اور اگر غلطی سے معاملہ اس کے برعکس ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے وہ شخص لرز اُٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنے میں دیر نہیں لگاتا۔ ایسے شخص کیلئے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو مزید نیکی کی توفیق عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ خود اس کے دِل میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہی اسکا دِل خوشی سے بھر جاتا ہے۔ نتیجتاً روز بروز وہ نیکی کے کاموں کو زیادہ سے زیادہ شوق سے کرتا ہے حتیٰ کہ وہ جنتیوں میں شمار ہونے لگتا ہے جہاں وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات بھی کرے گا اور اسکا دیدار بھی اور قیامت کے روز بھی وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا، ''**وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○**''۔(القیٰمة ۷۵، آیات ۲۲-۲۳) ترجمہ'' (کتنے ہی) چہرے اس روز بشاش ہوں گے (یعنی قیامت کے دِن) اور اپنے پروردگار تعالیٰ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔

دوسرے شخص کی مثال ایسی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق ہی نہیں رَکھتا لہٰذا ملاقات کے قواعد وضوابط یعنی احکامِ الٰہی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ ایک شتر بے مہار کی طرح ہوتا ہے اور اسکی رسّی شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ملاقات کرنے کا شوق نہیں رَکھتا لہٰذا اسکو نیکی کی توفیق عطا نہیں فرماتا۔ وہ مرتے دَم تک شیطانی اعمال میں مصروف رہتا ہے اور بالآخر اسکا نام جہنمیوں میں لکھا جاتا ہے اور آخرت میں حساب کتاب سے خوف کھاتے ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے بچنا چاہتا ہے اور بالآخر وہ جہنم میں دھکیل دیا جاتا ہے جہاں نہ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ ''وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ ۢ بَاسِرَةٌ ○ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ○ ''(القیٰمة ۷۵، آیات ۲۴-۲۵) ترجمہ ''اور (کتنے ہی) چہرے اس روز (یعنی قیامت کے دِن) بے رونق ہوں گے اور سمجھ رہے ہوں گے کہ اب ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا''۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور دیدار سے محروم رہیں گے۔

ان دو قسم کے اشخاص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ''وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○''

[المطفّفین ۸۳، آیت ۱تا۶]

ترجمہ: ''تباہی ہے جو ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں۔ دینے میں کم اور لینے میں زیادہ لیتے ہیں۔ کیا وہ جانتے نہیں کہ ایک بڑے دِن اُٹھائے جائیں گے اور رَبّ کے سامنے حساب کیلئے کھڑے ہوں گے''۔ (وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے تو ہوں گے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں رہے ہوں گے۔ ملاقات ہمیشہ ہی خوشگوار ماحول کیلئے ہوتی ہے تو ان سے یہ ملاقات ملاقات نہیں کہلاتی بلکہ یہ تو عدالت میں ایک مجرم کی طرح پیشی کے طور پر حاضری ہوگی)۔

یہاں ناپ تول کا مطلب پوری زندگی میں حق اور عدل کا دھیان رَکھنا ہے یعنی کوئی عمل بھی عدل سے تجاوز نہ کرے جیسے عام آدمی یہ تو دیکھ لیتا ہے کہ ایک چیز کو ترازو

میں تولنے سے ایک پلڑہ بھاری اور ایک ہلکا ہوسکتا ہے اور اسی طرح کسی چیز کو ناپنے میں بھی کمی بیشی ظاہری آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے لیکن عام آدمی ہی نہیں بلکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ باقی تمام انسان یہ صلاحیت نہیں رَکھتے کہ جب وہ جھوٹ بولتے ہیں تو ان کا جھوٹ سچ کے مقابلے میں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے وزن کرتے ہیں کتنا وزن رَکھتا ہے۔ یہ سچ اور جھوٹ آخرت میں جب وزن کیا جائے گا تو بالکل ترازو میں واضح نظر آئے گا لہٰذا ہم ان آیات مبارکہ سے یہ رہنمائی لیتے ہیں کہ ہر نیّت و ارادہ، ہر قول اور عمل کو عدل سے تجاوز کرنے نہیں دینا چاہیے ورنہ آپ خسارے میں رہیں گے۔

''كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ○ وَمَا اَدْرٰكَ مَا سِجِّيْنٌ'' ○ كِتٰبٌ'' مَّرْقُوْمٌ'' ○ وَيْلٌ'' يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ○ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ○ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ○ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ○''

[المطفّفین ۸۳، ۷تا۱۷]

ترجمہ: ''جان لو کہ بدکاروں کا نامہ اعمال ایک ایسے رجسٹر میں ہے جو پوری صحت کے ساتھ رَقم کیا گیا ہے۔ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کیلئے جو روزِ جزا کو جھٹلاتے ہیں۔ جھٹلاتا تو وہ شخص ہے جو بدعمل ہے۔ جب انکو ہماری آیات [یعنی قرآن کریم] سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں، یہ تو صرف پُرانے قصّے کہانیاں ہیں۔ یہ اسلئے کہتے ہیں کہ انکے دِلوں کو بُرے اعمال کی وجہ سے زنگ لگ گیا ہے [کہ وہ سوچتے نہیں]۔ یقیناً اس روز یہ اپنے رَبّ کریم کے دیدار سے محروم رَکھے جائیں گے پھر یہ جہنم میں جا گریں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ چیز جسکو تم جھوٹ سمجھتے تھے''۔

یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو آخرت پر یقین نہیں رَکھتے، اسلئے وہ سمجھتے ہیں کہ بس یہی دُنیا ہے۔ اس میں جو کچھ بھی کیا جائے گا، کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ مرنے کے بعد ہم مٹی ہو جائیں گے۔ چونکہ حساب کتاب پر یقین نہیں رَکھتے، اسلئے انکی زندگی شتر بے

مہار کی طرح ہو جاتی ہے جسکی کوئی سمت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے فائدے کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہر قانون کو دھڑلّے سے توڑ ڈالتے ہیں۔ انکے نزدیک اخلاق اور قانونی پابندیاں کھیل تماشے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ **انکا ہر قدم ناپ تول (یعنی عدل) کے قانون وضوابط سے محروم ہوتا ہے**، اسلئے وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور ملاقات کا تو شوق رکھتے ہیں اور نہ ہی خوف۔

یاد رہنا چاہیے کہ ناپ تول انسان کی زندگی کی **ایک بنیادی اصطلاح ہے**۔ ناپ تول کے صحیح ہونے سے زندگی کے ہر شعبے میں عدل قائم ہوتا ہے اور ناپ تول کے غلط ہونے سے زندگی کے ہر شعبے میں ظلم پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم کہتے ہیں ''پہلے تولو پھر بولو''۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں ''اس شخص نے بڑی نپی تلی بات کی ہے''۔ عدالت میں جج کہتا ہے ''میں نے ناپ تول کر پوری طرح فیصلہ کیا ہے''۔ بازار میں تاجر کہتا ہے ''میرا ناپ تول بالکل صحیح ہے'' اور حکومت اسکے پیمانوں کو وقت وقت پر جانچتی رہتی ہے۔

اگر ہم ناپ تول کی اصطلاح کو اپنے دِماغ میں اس طریقے سے یاد رکھیں کہ ہمارا ہر عمل عدل پر ہونا چاہیے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہر عمل میں ناپ تول صحیح ہوگا۔ اگر ہم ناپ تول کو صحیح نہیں کر سکتے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ہمارا ہر قدم ظلم کی طرف ہوگا اور ہمارا حشر وہی ہوگا جو اوپر والی آیات مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے..... جہنم جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

''كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ○ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ○ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ○ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ○ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ○ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ○ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ط وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ○ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ○ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ○ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ○ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ○ وَمَآ

اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ○ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ○ عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ○ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○''

[المطفّفین ۸۳، آیت ۱۸تا۳۶]

ترجمہ: ''(اوپر والی آیات کے برعکس) نیک آدمیوں کے اعمال ''عِلِّيِّيْن'' میں ہیں۔تم کیا سمجھے کہ ''عِلِّيِّيْن'' کیا ہے؟ وہ ایک ایسا رجسٹر ہے جسکی حفاظت مقرب فرشتے کرتے ہیں۔ یقیناً نیک لوگ (جنت میں) بڑے مزے میں ہوں گے۔ اونچی مسندوں پر بیٹھے نظارے کررَہے ہوں گے۔ انکے چہروں پر نعمتوں کا اَثر دیکھو گے۔ انکو نفیس ترین سربند شراب پلائی جائے گی جس پر مشک کی مہر لگی ہوگی۔ ایسی ہی چیز کی حرص کرنا چاہیے حرص کرنے والوں کو۔ اس شراب میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ یہ ایک چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ پئیں گے''۔

''مجرم لوگ دُنیا میں ایمان لانے والوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ جب انکے پاس سے گزرتے تو آنکھوں آنکھوں میں انکی طرف اشارے کرتے تھے۔ اپنے گھروں کی طرف پلٹتے تو دل لگیاں کرتے اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے تھے کہ یہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں حالانکہ وہ ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ آج (قیامت کے دِن) ایمان لانے والے کفار پر ہنس رہے ہوں گے۔ مسندوں پر بیٹھے ہوئے انکا حال دیکھ رہے ہوں گے۔ مل گیا نا کافروں کو ان کی حرکتوں کا (بُرا) نتیجہ جو وہ کیا کرتے تھے''۔

جو لوگ نیکوکار ہیں، وہ جنت میں جائیں گے اور انکے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں جو ذِکر ہوئیں ہیں اور اسکے علاوہ اَور بے شمار نعمتیں تیار کررَکھی ہیں۔ **یہ وہ لوگ ہیں جو دُنیا میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کا شوق رَکھتے تھے** کیونکہ انہیں اُمید تھی کہ جو ہم یہاں پُرخلوص طور پر اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں انکا اَجر ضرور عطا فرمائے گا۔

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشادِ باری تعالیٰ ''لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ'' ..... الآیة'' (یونس ۱۰، آیت ۲۶) کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ''جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے تو

ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ تمہیں اللہ سے ایک اَور چیز ملنے والی ہے۔ وہ کہیں گے، کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا اور ہمیں نجات دے کر جنت میں داخل نہیں کیا؟ (یعنی اب ہمیں کس چیز کی حاجت باقی رہتی ہے) وہ کہیں گے کیوں نہیں۔ پھر پردہ ہٹایا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر کوئی نعمت ابھی تک نہیں ملی تھی''۔ (ترمذی شریف، جلد دوم، حدیث ۲۳۶۴)

اب معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ اللہ جل جلالہٗ سے ملاقات کرنے کا شوق پیدا کرتے ہیں یا اس سے محروم رہنا چاہتے ہیں؟

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۷۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ ۔
(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۷۰۵۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھے''۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر نیک کام میں اچھی اُمید رَکھنی چاہیے۔ یہ ایک آفاقی سچائی (Universal Truth) ہے کہ اعتماد سے اعتماد آتا ہے، بے اعتمادی سے بے اعتمادی آتی ہے۔ انسانوں کے ساتھ بھی یہی ہے کہ اگر ایک آدمی دوسرے پر اعتماد کرتا ہے تو عام طور پر وہ بھی اس پر اعتماد کرتا ہے۔ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے اچھی اُمید رَکھو گے تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون بااعتماد ہستی ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا، ''**وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝**'' (ابراہیم ۱۴، آیت ۱۱) ترجمہ ''مؤمنین کو بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہی رَکھنا چاہیے'' یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رَکھنا ایمان کی نشانی ہے۔ جنکے ایمان میں کمزوری ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے اُمید رَکھنے کے بجائے غیر اللہ پر اُمیدیں باندھتے ہیں اور غیر اللہ پر اُمید باندھنا ایسے ہے جیسے مکڑی کا گھر کہ ''**مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝**'' (العنکبوت ۲۹، آیت ۴۱) ترجمہ ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں پر تکیہ کرتے ہیں (یعنی اچھا گمان باندھتے ہیں) تو انکی مثال مکڑی کے گھر جیسی ہے اور مکڑی کا گھر سب گھروں سے کمزور ہوتا ہے۔ کاش! کہ لوگ اس بات کو جان لیں'' (یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وسائل پر تکیہ رَکھنا اتنا کمزور ہے جتنا کہ مکڑی کا گھر [جالا])

ایک دفعہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی (نادانستہ طور پر) یہ غلطی ہوگئی کہ انکی توجہ یعنی بھروسہ اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر اپنی کثرتِ تعداد پر آ گیا تو اس وقت وہ وقتی طور پر میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے، ''**لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ**

فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ○ ''(التوبۃ ۹، آیت ۲۵) ترجمہ ''یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت فرمائی تھی اور حنین کے دِن بھی بالآخر تمہاری مدد فرمائی جبکہ تم نے اپنی کثرتِ تعداد پر بھروسہ یعنی گمان اور اعتماد کرلیا پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے''۔

شیطان ہر وقت انسان کی کمزوریوں کو بھانپ کر اس پر حملہ کرتا ہے اور اسکو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ انسانی تاریخ میں کئی دفعہ ایسے ہوا ہے کہ شیطان نے بڑے بڑے انسانوں کو پھسلایا ہے۔ ان میں سے ایک واضح مثال قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا، ''وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ وَکُلَا مِنْھَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ فَاَزَلَّھُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْھَا فَاَخْرَجَھُمَا مِمَّا کَانَا فِیْہِ ص وَقُلْنَا اھْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ○ ''(البقرۃ ۲، آیات ۳۵-۳۶) ترجمہ ''اور ہم نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) اور اسکی بیوی سے کہا کہ جنت میں رہو اور اس میں سے جہاں سے چاہو، کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس مت جانا ورنہ تم ظالم شمار ہوگے لیکن ہوا یہ کہ شیطان نے انکو پھسلا دیا اس سے اور انکو نکالا اس حالت سے (یعنی حالت بندگی سے) جس میں کہ وہ تھے تو ہم نے کہا تم سب اُترو یہاں سے۔ تم ایک دوسرے کے دُشمن ہوگے اور تمہارے لیے زمین میں ایک مقرر مدت تک ٹھہرنا ہوگا''۔

یاد رکھیں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کائنات میں نہ تو کوئی زیادہ بااعتماد ہستی ہے اور نہ ہی کوئی زیادہ طاقتور۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے، جو چاہے کرسکتا ہے اور حکیم اور دانا ہے تو انسان کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ پر اچھا گمان رکھ کر اس کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔ اس طرح اُمید ہے کہ ہر کام کے نتائج اچھے نکلیں گے۔

مشورہ:

اب ذرا اپنی حالت پر غور کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اچھا گمان (اعتماد) رَکھنے کے بجائے یا تو نا اُمید ہو جاتے ہیں یا پھر وسائل پر گمان رَکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ آپکو نہ ہی نا اُمیدی مدد کرے گی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وسائل آپکے کسی کام آئیں گے۔ قوم افراد سے بنتی ہے۔

ع ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اگر ہم میں سے ہر انسان اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رَکھ کر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں پر زندگی بسر کرے جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپکے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کیا تھا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری اکثریت کی تربیت ان خطوط پر ہوگی جن پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ہوئی تھی اور جب چھوٹے بڑے سب کاموں کیلئے اللہ تعالیٰ پر اچھا گمان (اعتماد) رَکھنے کی عادت پڑ جائے گی تو ہم مجموعی طور پر ایک بہترین قوم بن کر اُبھر سکتے ہیں۔

؎ کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

؎ آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے اور سمندر کے قریب پہنچے تو پیچھے سے فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ آتا ہوا نظر آیا تو بنی اسرائیل گھبرا اُٹھے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے، عنقریب وہ مجھے راہ دکھلا دے گا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو یہ نصیحت فرما رہے تھے کہ تمہیں بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے گو تم اسکو نہیں دیکھ رہے لیکن مجھ پر یقین رَکھو کہ وہ میرے ساتھ موجود ہے ہماری مدد کیلئے اور وہ ضرور ہمیں اس مشکل گھڑی سے ہمارے لیے راستہ نکال دے گا۔ (دیکھیں سورۃ الشعرآء ۲۶، آیت ۶۲)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

حدیث ۳۷: عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ صَعْصَعَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّه' اَخْبَرَه' اَنَّ اَبَا سَعِیْدِ الْخُدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَه' اِنِّیْ اَرَاکَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِیَةَ فَاِذَا کُنْتَ فِیْ غَنَمِکَ اَوْ بَادِیَتِکَ فَاَذَّنْتَ بِالصَّلٰوةِ فَارْفَعْ صَوْتَکَ بِالنِّدَاءِ فَاِنَّه' لَایَسْمَعُ مُدٰی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنّ'' وَلَا اِنْس'' وَلَا شَیْءٌ'' اِلَّا شَهِدَ لَه' یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ سَمِعْتُه' مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ۔(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۷۰۹۳)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ نے اپنے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا، ''میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل کو پسند کرتے ہو۔ جب تک تم اپنی بکریوں میں یا کھلے میدان (بادیہ) میں ہو اور نماز کیلئے اذان کہو تو بلند آواز سے اذان کہو کیونکہ مؤذّن کی بلند آواز کی دُوری میں کوئی جن، انسان اور نہ کوئی اور سنتا ہے مگر وہ قیامت کے دِن اسکے حق میں گواہی دے گا''۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ''میں نے یہ حدیث شریف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے''۔

نوٹ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''جو شخص سات [۷] برس تک ثواب کی نیّت سے اذان دیتا رہے، اس کیلئے دوزخ سے آزادی لکھ دی جاتی ہے''۔ (جامع ترمذی، جلد اوّل، حدیث ۱۸۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اذان اور اقامت کے درمیان دُعا کبھی ردّ نہیں کی جاتی'' (یعنی ہمیشہ قبول ہوتی ہے)۔ (جامع ترمذی، جلد اوّل، حدیث ۱۸۶)

اذان کا مطلب دَراصل اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا (دعوت دینا) ہے۔ اللہ تعالیٰ کی

طرف دعوت دینے کا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ اور مقبول عمل ہے۔قرآن حکیم کی آیت مبارکہ ہے،''**كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط**''(آلِ عمران۳، آیت۱۱۰) ترجمہ''تم ایک بہترین اُمت ہو جو کہ تمام انسانوں کی رَہنمائی کیلئے نکالی گئی ہے۔تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رَکھتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے اس اُمّت کو بہترین اُمّت کا خطاب اسلئے دیا ہے کہ اس اُمّت کی ڈیوٹی (Duty) یہ ہے کہ وہ تمام انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور اللہ تعالیٰ کے نظام کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر قائم کرے۔اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا جسکی بے شمار صورتیں ہیں،اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین عمل ہے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حدیث ۴۷: عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ وَرَاٰی سِکَّۃً وَّشَیْئًا مِّنْ اٰلَۃِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَایَدْخُلُ ھٰذَا بَیْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الذُّلَّ۔ (تفہیم البخاری، جلدسوم، حدیث ۲۱۷۱)

ترجمہ: حضرت ابواُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے ہل اور کھیتی کے کچھ آلات دیکھے تو فرمایا، ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ کسی قوم کے گھر میں داخل نہیں ہوتے مگر اس میں ذلت داخل ہوجاتی ہے''۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں اشارہ یہ ہے کہ جب قوم کا مقصدِ زندگی دُنیا سے محبت ہوجاتا ہے تو ان میں جہاد کی رغبت ختم ہوجاتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''ایمان کے بعد بہترین عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔(تفہیم البخاری، جلداوّل، حدیث ۲۵)

اس زمین پر انسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے اور اللہ تعالیٰ کے نظامِ بندگی یعنی ''دِین اسلام'' کو دوسروں تک پہنچائے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''وَمَا خَلَقْتَ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ○'' (الذّٰریٰت ۵۱، آیت ۵۶) ترجمہ ''میں نے ہی جنات اور انسان کو پیدا کیا تو انہیں چاہیے کہ وہ میری ہی بندگی کریں'' یعنی کسی دوسری مخلوق کی اگر وہ بندگی کریں گے تو مقصدِ تخلیق پورا نہیں ہوگا۔دَراصل پوری کائنات میں ہر شے اللہ تعالیٰ کی ہی بندگی کررہی ہے کیونکہ اسی نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ..... الآیۃ'' (الجمعہ ۶۲، آیت ۱) ترجمہ ''اُسی کی ہی تسبیح (یعنی بندگی) کررہے ہیں جو مخلوق بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے.....الخ''۔

اوپر کی آیت مبارکہ میں جنات اور انسان کو خاص طور پر اسلئے ذِکر کیا گیا ہے کہ ان دو [۲] مخلوقات کو کچھ اختیارات دے دیے گئے ہیں جسکے تحت انکو یہ آزادی دے دی گئی ہے کہ آیا وہ اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہیں یا پھر غیر اللہ کی اور انکو یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ اگر تم غیر اللہ کی بندگی کروگے تو تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔

تو اگر انسان اپنے اصلی مقصد یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی چھوڑ کر اپنی ساری توجہ دُنیا اکٹھی کرنے میں ہر جائز و ناجائز طریقے سے صَرف کر دے تو قدرتی بات ہے کہ نہ تو وہ خود بندگی کیلئے تیار ہوگا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی فکر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ''(الحج ۲۲، آیت ۷۸) ترجمہ ''اللہ تعالیٰ کے راستے میں مسلسل (یعنی ہر دَم) ایسی محنت کرتے رہو جیسے محنت کرنے کا حق ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی ہونا چاہیے اور اس کیلئے ایسی محنت درکار ہے کہ بندگی کا حق اَدا ہو جائے لیکن ذرا آپ موجودہ حالات پر نظر دوڑائیں تو یہ بالکل واضح ہے کہ ہماری بہت بڑی اکثریت تقریباً ساری کی ساری قوم اللہ تعالیٰ کی بندگی کو چھوڑ کر غیر اللہ کی بندگی میں مدہوش ہے مثلاً دولت کو اکٹھا کرنا، اقتدار کے پیچھے بھاگنا، ہم ایسے اندھے ہوئے ہوئے ہیں کہ اسلام کے بنیادی احکامات کے متعلق نہ تو ہم علم رَکھتے ہیں، نہ ہم ان پر عمل کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں تک پہنچانے کی فکر کرتے ہیں تو یہی مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس حدیث شریف میں ہے کہ جب تم دُنیا کے پیچھے بھاگو گے تو تم میں جہاد کی فکر اور تیاری ختم ہو جائے گی، تم دُنیا میں دوسری قوموں کے زیرِ نگیں ہو جاؤ گے اور تمہاری زندگی ذِلت کی زندگی ہوگی۔ کیا آج کل کے حالات ایسے ہی نہیں ہیں؟

یہ وقت ہے غور کرنے کا کہ ہم اصلی مقصد کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف لوٹ آئیں اور امورِ دُنیا کو بھی ایک عبادت بنا لیں تو اللہ تعالیٰ پھر ہمیں عزت کا مقام دے گا اور ہم دُنیا کی قوموں میں بلند تر ہوتے جائیں گے۔

کیا آپ اپنے طور پر اس بات کا عہد کرتے ہیں؟ کہ آپ خود اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف پلٹ آئیں اور اللہ تعالیٰ سے مسلسل دُعا کرتے رہیں کہ پوری قوم دِین کو اوّلین ترجیح دے کر اپنا مقام حاصل کر لے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے، ''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ''(آلِ عمران ۳، آیت ۱۳۹) ترجمہ ''اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم (پکے) مؤمن ہو''۔

ہم نے یہ مقام اپنی ہی بے وقوفی سے ضائع کیا ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر تم مؤمن کی زندگی بسر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دُنیا کی سپر پاور (Super Power) بنادے گا جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھے

''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝''

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

۝.....۝.....۝

حدیث ۷۵: عَنْ عَدِیّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَیُکَلِّمُہٗ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ تَرْجُمَانٌ، ثُمَّ یَنْظُرُ فَلَا یَرٰی شَیْئًا قُدَّامَہٗ ثُمَّ یَنْظُرُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَتَسْتَقْبِلُہُ النَّارُ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یَتَّقِیَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ قَالَ الْاَعْمَشُ حَدَّثَنِیْ عَمْرٌو عَنْ خَیْثَمَۃَ عَنْ عَدِیّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اتَّقُوْا النَّارَ ثُمَّ اَعْرَضَ وَاَشَاحَ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوْا النَّارَ ثُمَّ اَعْرَضَ وَاَشَاحَ ثَلٰثًا حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَیْھَا ثُمَّ قَالَ اتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ فَمَنْ لَمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ۔ (تفہیم البخاری، جلد دہم، حدیث ۶۱۵۱)

ترجمہ: حضرت ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''تم سب سے اللہ جل جلالہٗ قیامت میں کلام فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا (بلا واسطہ کلام فرمائے گا) پھر وہ بندہ دیکھے گا تو وہ اپنے آگے کوئی شے نہ پائے گا پھر جب دوبارہ نظر کرے گا تو اسکے سامنے دوزخ کی آگ ہوگی۔ تم میں سے جو کوئی طاقت رکھتا ہو کہ آگ سے بچے تو صدقہ کرے اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو''۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ''آگ سے بچو'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعراض فرمایا اور چہرۂ انور پھیر لیا۔ پھر فرمایا، ''آگ سے بچو'' پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چہرۂ انور پھیر لیا۔ یہ تین [۳] بار فرمایا حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آگ کو دیکھ رہے ہیں (عَرَضَ کا یہاں مطلب یہ ہے کہ وہ ایک طرف منہ کر کے گویا کہ کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں) پھر فرمایا، ''آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی میسر ہو اور جو کوئی کچھ نہ پائے تو اچھے کلام کے ذریعہ آگ سے بچے''۔

نوٹ: ذرا غور کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی اُمت کی کتنی فکر تھی کہ جہنم میں جانے

سے بچ جائے اور آپ دوبارہ غور کریں کہ ہم خود جہنم سے بچنے کی کتنی فکر کر رہے ہیں۔ کیا آپ مجھ سے اتفاق کریں گے؟ کہ ہمارے لیے کیا یہ شرم کا مقام نہیں ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حقیقتاً رحمۃ اللعالمین ہیں، رات دِن اس فکر میں ہیں کہ میرا ہر اُمتی جہنم سے بچ جائے اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہم عملی طور پر اسکے بالکل برعکس ایک ایسی زندگی کے راستے پر چل رہے ہیں جو جہنم کا راستہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ ''تمہاری حالت یہ ہے کہ تم بار بار جہنم کے گڑھے میں گر رہے ہو اور میں تمہیں پکڑ پکڑ کر باہر نکال رہا ہوں''۔

اس حدیث شریف میں ہمیں تین [۳] اشارے ملتے ہیں:

[۱] پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک رَکھنا جہنم سے بچاتا ہے یعنی حسن سلوک جنت کا راستہ ہے۔

[۲] مال کا خرچ کرنا جنت کا راستہ ہے (اور کنجوسی اختیار کرنا جہنم کا راستہ ہے)

[۳] اچھا کلام جنت کا کلام ہے اور بُرا کلام جہنم کا کلام ہے۔

جہنم ایک بہت ہی اذیت ناک مقام ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، 'تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کے ستر [۷۰] حصوں میں سے ایک [۱] حصہ ہے''۔ (جامع ترمذی، جلد دوم، حدیث ۲۳۹۸)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''دوزخ میں خفیف ترین عذاب یہ ہوگا کہ ایک شخص کے تلووں میں دو [۲] چنگاریاں ہوں گی جن سے اسکا دماغ کھولتا رہے گا''۔ (جامع ترمذی، جلد دوم، حدیث ۲۴۱۳)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''قیامت کے روز جہنمیوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جو دُنیا میں عیش و عشرت میں رہا تھا پھر اسے آگ میں غوطہ دے کر کہا جائے گا، اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی؟ کیا تجھے کبھی کوئی آرام پہنچا؟ کہے گا کہ خدا کی قسم اے ربّ العزت! نہیں۔ پھر اہل جنت میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جو دُنیا میں سب لوگوں سے

زیادہ مصیبت میں رہا تھا۔ پس اُسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا اور کہا جائے گا، اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی؟ کیا تجھے کوئی تنگی آئی؟ عرض گزار ہوگا کہ خدا کی قسم اے ربّ العزت! نہیں، نہ مجھے کبھی کوئی تنگی آئی اور نہ ہی میں نے کبھی کوئی سختی دیکھی''۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ انسان جب جہنم میں داخل ہوگا تو دُنیا کے تمام عیش بھول جائے گا اور یوں معلوم ہوگا کہ اس نے اپنی ساری زندگی ایسے ہی گزاری ہے جیسے یہ جہنم ہے اور دوسرا انسان جب جنت میں داخل ہوگا تو اسکو وہ سب مصیبتیں اور تکلیفیں جو اس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں دُنیا کی زندگی میں کاٹی تھیں، وہ جنت میں داخل ہوتے ہی سب بھول جائیں گی گویا کہ اسکی دُنیا کی زندگی ایسی ہی خوشگوار تھی جیسا کہ جنت۔

یہ چند احادیث شریف جہنم کا ہولناک منظر پیش کر رہی ہیں۔ یہ ہولنا کی تو ہمارے دُنیاوی احوال کے پس منظر میں ہم کچھ سمجھ سکتے ہیں لیکن دَراصل جہنم اس سے بھی کئی گنا زیادہ ہولناک ہے مثلاً آپ ذرا اندازہ لگائیں کہ دُنیا کی آگ میں انگلی ڈالیں تو نا قابل برداشت تکلیف ہوتی ہے اور ہم فوراً اپنی انگلی واپس کھینچ لیتے ہیں۔ اسی سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ جو آگ جہنم کی ہے، وہ ستر [۷۰] گنا زیادہ تیز ہونے سے انسان کے جسم کا کیا حال ہوگا۔

اب چند احایث شریف ہم جنت کے احوال کے متعلق لکھتے ہیں تا کہ آپکو جہنم کے خوف کے ساتھ ساتھ جنت کا شوق بھی پیدا ہو جائے اور آپ اس وقت جب شیطان آپ پر سوار ہو جاتا ہے، آپ جنت کے شوق سے بُرائی سے بچ سکتے ہیں یا جہنم کے خوف سے آپ شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ سکتے ہیں۔ انسانی نفسیات میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان میں نیکی اور بدی کے جذبات کا ابھار چڑھاؤ ترازو کی مانند ہے۔ ہر وقت انسان نیکی اور بدی کے جذباتی ہیجان میں رہتا ہے اور انکو متوازن رَکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ اور جہنم کا ڈَر اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور جنت کا شوق ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○''(البقرۃ ۲، آیت ۴۵-۴۶) ترجمہ ''صبر اور نماز سے مدد لو۔ بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے سوائے انکے جو اللہ تعالیٰ سے ڈَرنے والے ہیں اور اپنے

رَبّ تعالیٰ سے ملنے کی اُمید رَکھتے ہیں اور اس بات پر انکا یقین ہے کہ بالآخر ہم نے پلٹنا اُسی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا، ''اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوْرًا ○ .....الیٰ آیۃ..... اِنَّ هٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَآءً وَّکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا ○'' (الدھر ۷۶، آیات ۵ تا ۲۲) ترجمہ ''نیک لوگ (جنت میں) شراب کے ایسے ساغر پئیں گے جن میں آبِ کافور کی آمیزش ہوگی۔ یہ ایک بہتا چشمہ ہوگا جسکے پانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بندے شراب پئیں گے اور جہاں چاہیں گے بسہولت اسکی شاخیں نکال لیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو (دُنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں اور اس دِن سے ڈَرتے ہیں جسکی آفت ہر طرف پھیلی ہوئی ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین، یتیم اور رقیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں، نہ شکریہ۔ ہمیں تو اپنے رَبّ کریم سے اس دِن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دِن ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ انہیں اس دِن کے شر سے بچالے گا اور انہیں تازگی اور سرور بخشے گا اور انکے صبر کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا۔ وہاں وہ اونچی مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ انہیں دھوپ کی گرمی ستائے گی، نہ جاڑے کی سردی۔ جنت کی چھاؤں ان پر جھکی ہوئی سایہ کر رہی ہوگی اور اسکے پھل ہر وقت انکے بَس میں ہوں گے (کہ جس طرح چاہیں انہیں توڑ لیں)۔ انکے آگے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے گردش کرائے جا رہے ہوں گے۔ شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے اور انکو (منتظمین جنت نے) ٹھیک اندازے کے مطابق بھرا ہوگا۔ انکو وہاں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یہ جنت کا ایک چشمہ ہوگا جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔ انکی خدمت کیلئے ایسے لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ تم انہیں دیکھو تو سمجھو کہ موتی ہیں جو بکھیر دیئے گئے ہیں۔ وہاں جدھر بھی تم نگاہ ڈالو گے، نعمتیں ہی نعمتیں اور تمہارے لیے ایک بہت بڑی سلطنت ہوگی۔ انکے اوپر باریک ریشم کے سبز لباس اور اطلس و دیبا کے کپڑے ہوں گے۔ انکو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور انکا رَبّ کریم انکو نہایت

پاکیزہ شراب پلائے گا۔ یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کارگزاری قابل قدر ٹھہری ہے''۔

پڑوسی سے حسن سلوک کے منطقی نتائج◄

اگر ہر کوئی اپنے پڑوسی کا خیال رَکھے۔ اس سے محبت، شفقت، مالی اور غیر مالی مدد مہیا کرتا رہے تو اسکے دو[۲] واضح نتائج ہمیں مل سکتے ہیں:

[۱] پوری قوم اتحاد کا ایسا نمونہ پیش کرے گی جو کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پسند ہے۔

[۲] آپس میں پیار و محبت، خیر سگالی کے جذبات اور معاف کر دینے کا جذبہ، یہ سب مل کر ایک ایسا معاشرہ (قوم) پیدا کرنے کی صلاحیت رَکھتے ہیں جسکی مثال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعد کے زمانوں میں قائم نہیں ہو سکی۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

حُکّام کے متعلق چند احادیث شریف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○'' (المائدۃ ۵، آیت ۸) ترجمہ ''اے ایمان لانے والو (یعنی مسلمانو)! اللہ تعالیٰ کی خاطر سچائی پر قائم رہنے والے بنو اور ہمیشہ انصاف کی (یعنی سچی) گواہی دو۔ کسی گروہ کی دُشمنی تم کو مجبور نہ کر دے کہ انصاف نہ کر سکو۔

عدل کرو (کیونکہ عدل کا قائم کرنا) یہ تقوی پیدا کرنے کی خاص مناسبت (صفت) رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (تا کہ تم عدل قائم کرنے میں سستی نہ کرو)۔ یقین جانو! جو کچھ تم کرتے ہو (عدل یا ظلم)، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے''۔

○.....○.....○

حدیث ۷۶: قَالَ مَعْقِل'' رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اِنِّی مُحَدِّثُکَ حَدِیْثًا سَمِعْتُہُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْہِ اللّٰہُ رَعِیَّۃً فَلَمْ یُحُطْھَا بِنَصِیْحَۃٍ لَمْ یَجِدْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ ۔(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۶۷۲۰)

ترجمہ: حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک حدیث شریف سناتا ہوں جو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے رعایا دی (یعنی اسکو حکمران بنایا) اور اس نے اپنی رعایا کی بھلائی کے ساتھ دیکھ بھال نہ کی تو وہ جنت کی ہوا تک نہ پائے گا''

یہ حدیث شریف دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،''جو مسلمان رعایا کا حاکم بنایا گیا اور وہ ان سے خیانت کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردے گا''۔(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۶۷۲۱)

○.....○.....○

حدیث ۷۷: عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَۃَ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) لَا تَسْأَلِ الْاِمَارَۃَ فَاِنَّکَ اِنْ اُوْتِیْتَھَا عَنْ مَسْئَالَۃٍ وُکِلْتَ اِلَیْھَا وَاِنْ اُوْتِیْتَھَا عَنْ غَیْرِ مَسْئَالَۃٍ اُعِنْتُ عَلَیْھَا وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَاَیْتَ غَیْرَھَا خَیْرًا مِنْھَا فَکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ وَائْتِ الَّذِیْ ھُوَ خَیْر'' ۔(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۶۷۱۶)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ''امارت کی طلب نہ کرنا کیونکہ اگر طلب کرنے سے امارت دی گئی تو تم اسکے

حوالے کر دیے جاؤ گے اور اگر طلب کے بغیر امارت دی گئی تو تمہاری اس پر مدد کی جائے گی (اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا) اور اگر تم قسم کھاؤ اور اسکا غیر بہتر دیکھو تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دو اور جو بہتر ہے، وہ کرو''۔

○.....○.....○

حدیث ۷۸: عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَی الْاِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ ۔

(تفہیم البخاری، جلد یازدہم، حدیث ۶۷۱۸)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''تم عنقریب امارت کی حرص کرو گے اور وہ قیامت کے دِن **ندامت** ہوگی پس دودھ پلانے والی بہتر ہے اور دودھ چھڑانے والی بُری ہے''۔

نوٹ: [احادیث ۷۶-۷۸] اَمارت کا طلب کرنا یعنی خود حاکم بننے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہے۔ اگر لوگ کسی کو بغیر طلب کے اپنا حاکم بنائیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ ایسے حاکم کو اپنی رحمت کے سائے میں رَکھتا ہے اور اسکے ہر کام میں مدد فرماتا ہے۔

دودھ پلانے اور چھڑانے والی کا ذِکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ جو حکمران عوام الناس کے حقوق اَدا کرتا ہے اور وسائل کے مطابق انکی ضروریات پوری کرتا رہتا ہے تو وہ حکمران اپنی ڈیوٹی پوری کر رہا ہے، وہ دودھ پلانے والی ماں کا دَرجہ رَکھتا ہے اور جو عوام کے حقوق اَدا نہیں کر رہا بلکہ انکے حقوق غصب کر رہا ہے اور انکے منہ سے روٹی کا نوالہ چھین رہا ہے تو ایسے حکمران کیلئے قیامت میں ندامت ہوگی، وہ دودھ چھڑانے والی کا دَرجہ رَکھتا ہے۔

اب ذرا ہم اپنے حکمرانوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ وہ اقتدار چھیننے کیلئے ہر جائز و ناجائز حربے استعمال کرتے ہیں، اسلئے اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ محروم رہتے ہیں اور آج تک جو حکمران بھی آیا، وہ ذلیل ہو کر ہی گیا۔

اقتدار کی حرص کے علاوہ ایسے حکمران لوگوں کے منہ سے روٹی کا نوالہ چھیننے سے

بھی گریز نہیں کرتے۔

اب تک ان تمام حکمرانوں کے نزدیک عدل کا کوئی شعور نہیں تھا اور نہ ہی ابھی تک پیدا ہوا ہے۔ یہ عوام کے ساتھ متکبرانہ اور ظالمانہ رویّہ اپناتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ مسلسل چلتا جا رہا ہے۔ یہ حکمران ذرا سوچیں کہ قیامت کے دِن وہ اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ اس وقت انکی کیا حالت ہوگی؟ اور انکے متعلق کیا فیصلہ ہوگا؟

تاریخ اسلئے ہوتی ہے کہ اس سے سبق حاصل کیا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو حکمران جاہل ہے۔

خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا، ''حکمران کے (یعنی میرے) لئے صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں تمہارے کمزور اور طاقتور افراد کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھوں گا۔ تمہارے کمزور کو طاقتور سمجھوں گا اور اسے اسکا حق واپس دلاؤں گا۔ تمہارے طاقتور کو کمزور گردانوں گا اور دوسروں سے چھینا ہوا حق اس سے لے کر حقدار کو دلاؤں گا۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ اسکو ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔

خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت یزید بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کے مہم پر امیر بنا کر بھیجا تو انہیں نصیحت فرمائی، ''اے (حضرت) یزید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! تمہارے قرابت دار ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تم اپنے منصب کی بدولت انہیں فائدہ پہنچاؤ۔ اقرباپروری کا یہی وہ سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ''اگر کسی شخص کو مسلمانوں کا حاکم مقرر کیا جاتا ہے اور وہ کسی غیر مستحق آدمی کو (محض نوازنے کیلئے) افسر بنا دیتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ اسکا کوئی عذر قبول نہ فرمائے گا یہاں تک کہ اسکو جہنم میں داخل کر دے گا''۔ (حکمران صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) از محمود احمد غضنفر، ناشر مکتبہ قدوسیہ)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

○.....○.....○

جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	نام کتاب ومصنف
۱	القرآن الحکیم
۲	تفہیم البخاری از غلام رسول رضوی صاحب
۳	شرح مسلم شریف از غلام رسول سعیدی صاحب
۴	جامع ترمذی ترجمہ از مولانا فضل احمد صاحب
۵	سنن نسائی ترجمہ از عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری صاحب
۶	سنن ابن ماجہ ترجمہ از عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری صاحب
۷	سنن ابوداؤد ترجمہ از مولانا خورشید حسن قاسمی صاحب
۸	مؤطّا امام مالک ترجمہ از مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری صاحب
۹	مؤطّا امام محمد ترجمہ از محمد منشا تابش قصوری صاحب
۱۰	کشف المحجوب از حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ترجمہ طفیل محمد صاحب
۱۱	شمائل ترمذی شریف ترجمہ از مولانا محمد زکریا صاحب
۱۲	مشکوۃ المصابیح ترجمہ از مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب
۱۳	سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از شبلی نعمانی صاحب وسیّد سلیمان ندوی صاحب
۱۴	ترجمان السنۃ از محمد بدرِ عالم صاحب
۱۵	جنت کی کنجی از احمد سعید دہلوی صاحب
۱۶	بانگ درا/ بال جبریل از ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۷	اذکارِ مسنونہ از حافظ ابن قیم.....ترجمہ وحواشی از مولانا خلیل احمد حامدی
۱۸	حکمران صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) از محمود احمد غضنفر ناشر مکتبہ قدوسیہ

○.....○.....○